امارت اسلامیہ افغانستان کا واحد اردو ترجمان

ماہنامہ شریعت

جلد 8 جنوری 2020ء بمطابق جمادی الاولی 1441ھ ق شمارہ 11

امریکہ کا اپنے وعدوں سے مکرنا

اور امارت اسلامیہ پر نئی تہمت

امارت اسلامیہ امن کی واحد امید

لیبیا میں ترک کردار اور عربوں کا خوف

عالمی برادری اپنی سوچ بدلے

امریکا اور قاسم سلیمانی

صحابہ کے نقشِ قدم پر

۲۰۱۹ کے اہم واقعات پر ایک طائرانہ نظر

فرمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

عن ابی شریح العدوی قال سمعت اذنای وابصرت عینای حین تکلم النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال من کان یؤمن باللّٰہ والیوم الآخر فلیکرم جارہ ومن کان یؤمن باللّٰہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفه ومن کان یؤمن باللّٰہ والیوم الآخر فلیقل خیرا او لیصمت (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ:

حضرت ابو شریح عدوی سے روایت ہے کہ میں نے اپنے کانوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا اور جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما رہے تھے اس وقت میری آنکھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو اسے چاہئے کہ اپنے پڑوسی کی عزت (اور اس سے اچھا سلوک) کرے اور جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو اسے چاہئے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے اور جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو اسے چاہئے کہ اچھی بات بولے یا پھر چپ رہے۔ (بخاری ومسلم)

امارت اسلامیہ افغانستان کا واحد اردو ترجمان

ماہنامہ شریعت

جلد ۸/جنوری ۲۰۲۰/جمادی الاولی ۱۴۴۱/شمارہ ۱۰

مدیر اعلیٰ: ولید افغان

نائب مدیر: شمس ابدالی

مجلس مشاورت

ملا اسد افغان — ہارون بلخی

اکرم تاشفین — محمد فرہاد جانباز

سیف العادل احرار

ڈیزائننگ: مولوی محمد فاروق

قیمت فی شمارہ 50 روپے

سالانہ 500 روپے

سالانہ زرتعاون

امریکا، آسٹریلیا، افریقا، یورپی ممالک: 40ڈالر

سعودی عرب، متحدہ عرب امارت: 30ڈالر

بنگلہ دیش: 28ڈالر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

'ماہنامہ شریعت' امارتِ اسلامیہ افغانستان کا اردو زبان میں واحد اور باضابطہ دینی، ثقافتی اور سیاسی مجلہ ہے۔ یہ امارت اسلامیہ کے رسمی 'میڈیا و ثقافتی کمیشن' کی جانب سے شائع ہوتا ہے۔ ماہنامہ شریعت افغانستان میں جاری اسلام و کفر کی کشمکش، سیاسی و جہادی واقعات و حالات اور ستم رسیدہ مسلمانوں پر روا رکھے جانے والے انسانیت سوز مظالم کا سچا اور چشم دید عکاس ہے۔

عکس دروں

امریکہ کا اپنے وعدوں سے مکرنا اور امارت اسلامیہ پر نئی تہمت 2

2019 میں امارت اسلامیہ کی سیاسی سرگرمیاں 3

لیبیا میں ترک کردار اور عربوں کا خوف 9

امارت اسلامیہ اور امریکا مذاکرات قدم بقدم 11

جان بس کی معنی خیز مسکراہٹ 19

امریکی عوام اور حکومتی جارحانہ پالیسی 20

کیا علماء بھی غیر جانبدار ہوتے ہیں؟ 21

سلیمانی کی ہلاکت اور امریکی مقاصد 22

دو صحافیوں کا مختصر تعارف اور تقابل 25

2019ء اہم واقعات پر ایک طائرانہ نظر 28

تشدد کی تشریح کچھ بھی ہو، افغانستان چھوڑ دو 35

کابل انتظامیہ یا ٹشو پیپر؟ 36

ایک سال میں 8ہزار بم 37

امریکا اور قاسم سلیمانی 38

امارت اسلامیہ امن کی واحد امید 39

جنگی جرائم 2019 40

افغانستان دسمبر 2019 میں 42

Twitter: www.twitter.com/shariatmagazine1
Facebook: www.facebook.com/shariatmagazine
Web: www.alemarahurdu.com
E-mail: shariatmagazine@yahoo.com
WhatsApp: 0093708638285

امریکہ کا اپنے وعدوں مکرنا اور امارت اسلامیہ پر نئی تہمت

محترم قارئین کے علم میں ہوگا امریکہ کے وزیر خارجہ پومپیو نے ازبکستان کے دورہ میں میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے کہا ہے مسئلہ افغانستان کے حل کے لئے معاہدہ پر دستخط سے پہلے طالبان کو چاہئے کہ وہ تشدد میں کمی کے قابل قدر شواہد پیش کریں۔ پچھلی دفعہ مذاکرات طالبان کی وجہ سے ناکام ہوئے کیونکہ وہ اپنے وعدوں پر قائم نہیں رہے تھے اور نہ ہی تشدد کم کرنے کا کوئی ارادہ ظاہر کیا تھا

امارت اسلامیہ کے ترجمان محترم ذبیح اللہ مجاہد نے پومپیو کی باتوں کا بڑا دلچسپ جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ امارت اسلامیہ مشکل حل کرنے کا ارادہ اور طاقت رکھتی ہے، مذاکرات کو اگر نقصان پہنچایا ہے تو ٹرمپ کے ٹویٹ، امریکی متعدد مطالبات اور امریکہ و کابل میں حکومتی اہلکاروں کے اختلاف نے پہنچایا ہے۔ ہمارا موقف اصولی اور متحد ہے مقابل کی طرح متزلزل نہیں۔ گزشتہ 18 برسوں میں امریکہ کا اصل چہرہ دیگر لوگوں کی بنسبت افغانوں کو اچھی طرح دکھائی دیا ہے، ہم نے دیکھ لیا ہے کہ امریکہ کے حکمران جس قدر ظالم اور وحشی ہیں اس سے بڑھ کر جھوٹے، مکار اور فریبی بھی ہیں۔

امارت اسلامیہ کی سیاسی کمیشن کے قائدین اور امریکیوں کے بیچ تقریباً 10 ماہ سے مذاکرات جاری تھے، دونوں جانب سے بڑی محنت کی گئی، تمام تر امور پر اتفاق رائے سامنے آگیا تھا، صرف معاہدہ پر دستخط کی دیر تھی لیکن جونہی امریکہ کو معلوم ہوا کہ ہم نے تو سیاسی میدان میں کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا تو ایک چھوٹے سے واقعہ (کابل میں طالبان کے ہاتھوں ایک امریکی کے قتل) کو بہانا بنایا اور ٹرمپ نے ایک ٹویٹ کرکے پوری محنت پر پانی پھیر دیا۔ ٹرمپ نے اس واقعہ کو ایسے حالات میں مذاکرات روکنے کا بہانا بنایا کہ معاہدہ دستخط کرنے سے پہلے دونوں جانب سے ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کا کوئی معاہدہ وغیرہ نہیں ہوا تھا۔ مذاکرات کے دوران طالبان پر بھی امریکی حملے جاری تھے لیکن طالبان نے کبھی بھی کوئی شکوہ نہیں کیا کیونکہ دوران مذاکرات جنگ بندی کا کوئی معاہدہ نہیں تھا۔ طالبان تو کیا مذاکرات کے دوران عام شہریوں کے قتل عام کا سلسلہ نہ صرف یہ کہ روکا نہیں گیا بلکہ امارت اسلامیہ پر دباؤ ڈالنے کی غرض سے غاصبین اور کٹھ پتلیوں نے بمباری اور رات کے دوران چھاپوں میں بے تحاشا اضافہ کیا۔ امارت اسلامیہ کے نمائندگان نے کئی دفعہ امریکہ سے اس سلسلہ کو بند کرنے کا مطالبہ بھی کیا اور بیرونی افواج کے سربراہ جنرل میلر نے اس سلسلہ کو بند کرنے کا وعدہ بھی کیا تھا لیکن پورا نہیں کیا۔

تو جب جنگ بندی کا معاہدہ نہیں ہوا تھا اور ایک دوسرے پر حملے جاری تھے تو ایک جانب کو دوسرے کی قتل پر ملامت کرنا اور اس وجہ سے مذاکرات کو بالکل روک دینا بے معنی بات اور ایک ایسا غیر سنجیدہ اقدام تھا کہ پوری دنیا نے امریکہ کو اس پر ملامت کیا۔

اگر امریکہ کے پاس امارت اسلامیہ کے ساتھ ہونے والا کوئی ایسا معاہدہ موجود تھا تو چاہئے تھا کہ وہ دنیا کو دکھا دیتے تاکہ لوگ ان کی طرح امارت کو بھی ملامت کرتے۔

امارت اسلامیہ کے ساتھ دھوکہ، فراڈ اور وعدہ خلافی کو امریکی حکمران اپنا کمال سمجھتے ہوں گے لیکن عجیب بات یہ ہے کہ یہ اپنی رعایا کے ساتھ کرنے والے وعدوں پر بھی قائم نہیں رہے ہیں۔

امریکی عوام، دانشوروں اور زیادہ تر سیاستدانوں کو یقین ہے کہ ہمارے پاس افغانستان کی جنگ جیتنے کے کوئی چانسز نہیں تو جتنی جلدی ہوسکے اس ناکام لڑائی سے امریکہ کو جان چھڑا لینی چاہئے۔

امریکیوں کے مطالبات کو مد نظر رکھتے ہوئے امریکی سیاست دانوں نے افغانستان میں جاری اس جنگ کو ختم کرنے کا کئی بار وعدہ کیا ہے لیکن ابھی تک ایک وعدہ بھی پورا نہیں کیا۔

سابق صدر بارک اوبامہ نے وعدہ کیا تھا کہ سال 2014 تک یہ جنگ اختتام تک پہنچ جائے گا لیکن 2016 تک نہ صرف یہ کہ جنگ ختم نہیں کیا بلکہ افغانستان میں اپنی فوج کی تعداد میں مزید اضافہ کیا۔

ٹرمپ نے بھی الیکشن کمپین کے دوران بار بار اس جنگ کو مال اور وقت کا ضیاع کہا اور کہا تھا کہ کامیابی کی صورت میں اس جنگ کو بند کرکے امریکی فوج کو واپس امریکہ بلائے گا لیکن اس وعدے کے حوالہ سے اس کی منافقت اور جھوٹ پوری دنیا کے سامنے ہے۔

ابھی پچھلے برس اس نے دوبارہ وعدہ کیا کہ 2020 تک اپنے تمام فوجی افغانستان سے نکال لے گا۔ لیکن اس وعدے سے بھی پیچھے ہٹ گیا اور 4000 فوجی کم کرنے کی باتیں کرنے لگا، اب تک اس پر بھی ایک فیصد عمل نہیں کیا ہے۔ ٹرمپ کے اقدامات کو مد نظر رکھتے ہوئے امریکی ان حالات کو امید افزاء نہیں سمجھتے اور سمجھتے ہیں کہ ٹرمپ صلح کی موڈ میں نہیں ہے۔

ہم بھی اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ امریکی عوام کے مطالبات کے برعکس ٹرمپ سمیت دیگر امریکی رہنما اور ان پر مسلط اسلحہ کے بڑے بڑے سوداگر اپنے مفاد کا حصول جنگ کی دوام میں ہی مضمر سمجھتے ہیں تو یہ حکمران ایک طرف اپنی عوام کو بہلانے کے لئے مذاکرات کے ذریعے مسئلہ حل کرنے اور اپنی فوج واپس بلانے کے وعدے کریں گے اور دوسری طرف جنگ کو طول دینے اور جاری رکھنے کی کوششیں بھی جاری رکھیں گے۔

ہم جانتے ہیں کہ جنگ کی دوام کی صورت میں دشمن کو بھاری مالی و جانی نقصانات پہنچ رہے ہیں۔ 25 جنوری سے 31 جنوری کے دوران ہلمند، بلخ، پکتیکا اور غزنی میں مجاہدین کے ہاتھوں 5 طیارے اور ہیلی کاپٹر گرائے جاچکے ہیں، 27 جنوری کو غزنی کے ضلع دہ یک میں امریکہ کے ایک بڑے اور جدید جاسوسی طیارے کے مار گرانے سے دشمن پر ایسا کاری وار پڑا ہے جس نے دشمن کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔ اس قسم کے طیارے جس کی قیمت کئی ملین ڈالر ہوتی ہے امریکی فوج کے پاس صرف 4 عدد ہیں جو زمینی اور ہوائی فوج کے درمیان رابطے کے کام آتے ہیں۔ ذرائع کا کہنا ہے اس واقعہ میں CIA کے مشہور جاسوس مائکل بی اندریا بھی ہلاک ہوا۔ مائکل بی اندریا افغانستان اور عراق میں امریکی جاسوسی نیٹ ورک چلاتا تھا۔

یہ واقعہ افغان عوام کے لئے بڑی خوشی کا باعث بنا تھا اس لئے کہ اسی دن ذرائع ابلاغ نے کہا کہ امریکہ نے صرف 2019 میں افغانستان کے مختلف علاقوں میں افغانوں پر ساتھ ہزار چار سو تیئیس بم گرائے ہیں۔

تو افغانستان میں جاری اس جنگ میں ہم نے دشمن کو بڑے جانی اور مالی نقصانات سے دوچار کیا ہے لیکن یہ ہمارے لئے کوئی خاص بات نہیں، ہمارے لئے اہم اور خاص بات اپنے دین، ملت اور سرزمین کی آزادی ہے، تو ظاہر ہے جب دشمن مذاکرات کی بات کرے گا اور آسان طریقہ سے مسئلہ حل ہونے کی امید پیدا ہو جاتی ہے تو امارت اسلامیہ اسے خوشی سے قبول کرے گی۔ لیکن قوم مطمئن رہے کہ ہماری پوری دار و مدار مذاکرات پر نہیں، اگر امریکی اپنی بات پر قائم رہے اور مسئلہ مذاکرات سے حل ہوا تو بہت اچھی بات ہوگی لیکن اگر امریکہ مذاکرات سے مکر جاتا ہے تو زبردستی نکالنا یقینی ہے۔ امریکہ میں اب مزید مقابلہ کرنے کی طاقت باقی نہیں رہی، پوری امت مسلمہ اور افغان عوام مطمئن رہیں کہ امریکہ بہت جلد شرمناک شکست کے ساتھ راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔ ان شاءاللہ

2019 میں امارت اسلامیہ کی سیاسی سرگرمیاں

قاری عبد الستار

امریکیوں کے ساتھ بات چیت:

امارت اسلامیہ اور امریکہ کے درمیان براہ راست امن مذاکرات کا سلسلہ جولائی 2018 میں شروع ہوا، امریکی میڈیا نے وائٹ ہاؤس کے حوالے سے خبر شائع کی کہ ٹرمپ افغانستان کے بارے میں اپنی سیاست میں ایک بنیادی تبدیلی لارہے ہیں اور طالبان کے ساتھ براہ راست مذاکرات کرنا چاہتے ہیں، ستمبر 2018 میں امریکی حکومت نے زلمے خلیل زاد کو افغانستان کے امن مذاکرات کے لئے خصوصی مندوب کے طور پر مقرر کیا۔ انہوں نے سال کے آخر تک دو بار قطر میں اور ایک بار متحدہ عرب امارات کے ابوظہبی میں طالبان سے ملاقات اور بات چیت کی۔ مذاکرات کے تیسرے دور میں توقع کے بر خلاف دیگر ممالک (سعودی عرب، پاکستان اور متحدہ عرب امارات) نے بھی شرکت کی، مذاکرات کے اس مرحلے کے بعد سیاسی فضا میں کچھ وقت کے لئے تلخی آئی۔ ایسا لگتا تھا کہ امریکہ دباؤ کے تحت مذاکرات کے عمل کو وضع کردہ ایجنڈے سے ہٹ کر لے جانا چاہتا ہے اور قطر کے بجائے سعودی عرب یا پاکستان تک مذاکرات کو وسعت دینے کی کوشش کررہا ہے تاہم طالبان نے انکار کردیا۔

اس طرح 2019 کا سال اس حالت میں شروع ہوا کہ مذاکراتی عمل کا مستقبل واضح نہیں تھا۔ 15 جنوری کو امارت اسلامیہ نے ایک اعلامیہ جاری کیا جس میں اپنا مؤقف واضح بیان کیا جس کے مطابق (ہم نے افغان تنازع کے حل کے لئے مذاکرات کے دروازے کھلے رکھے ہیں اور رابطہ کا دفتر بھی معلوم ہے جو کہ قطر میں قائم سیاسی دفتر ہے۔

جیسا کہ گذشتہ سال نومبر میں امریکیوں نے دوحہ اجلاس میں اتفاق کیا تھا کہ اگلی میٹنگ میں افغانستان سے غیر ملکی افواج کے انخلا اور دیگر ممالک کے خلاف افغان سرزمین کے عدم استعمال پر تبادلہ خیال کیا جائے گا لیکن اب وہ اس ایجنڈے سے گریز کررہے ہیں اور اپنی مرضی کے مطابق نئے عنوانات شامل کررہے ہیں لہذا امارت اسلامیہ امریکیوں کو متنبہ کررہی ہے کہ اگر یہ صورتحال برقرار رہتی ہے اور امریکی حکام اپنے مشن میں سچائی سے کام نہیں لیتے ہیں تو امارت اسلامیہ بھی اس وقت تک امن مذاکرات ملتوی کرنے پر مجبور ہوگی جب تک کہ امریکہ ناجائز دباؤ ڈالنے اور منفی حربے استعمال کرنے سے باز نہیں آتا۔

طالبان کے اس واضح مؤقف نے امریکہ کو مذاکرات کی میز پر واپس جانے پر مجبور کردیا اور 21 جنوری کو میڈیا نے خبر شائع کی کہ زلمی خلیل زاد وفد کے ہمراہ قطر پہنچ گئے، امارت اسلامیہ کے ترجمان ذبیح اللہ مجاہد نے اسی دن ایک بیان جاری کیا جس میں بتایا گیا کہ: امریکہ نے دو نکات پر مشتمل ایجنڈہ قبول کرلیا جس میں افغانستان سے قابض افواج کا انخلا اور افغان سرزمین کسی کے خلاف استعمال نہ کرنے کے نکات شامل ہیں، اس ایجنڈے کو قبول کرنے کے بعد امریکہ دوبارہ مذاکرات کی میز پر آیا اور آج اس کے نمائندہ نے قطر میں امارت اسلامیہ کے نمائندہ سے ملاقات کی اور امن مذاکرات کا عمل شروع کیا، یہ اجلاس کل بھی جاری رہے گا۔

24 جنوری کو امارت اسلامیہ کی قیادت کی جانب سے جاری کردہ ایک فرمان کے تحت ملا عبد الغنی برادر کو سیاسی امور کے لئے معاون اور امارت اسلامیہ کے سیاسی دفتر کا سربراہ مقرر کیا گیا اس اعلان کے بعد وسیع پیمانے پر ان کی تقرری کا خیر مقدم کیا گیا

12 فروری کو امارت اسلامیہ کی قیادت نے امریکہ کے ساتھ مذاکرات کے لئے ایک نئے وفد کا اعلان کردیا جس میں سابقہ رہنماؤں کے علاوہ کچھ نئی شخصیات بھی شامل کی گئیں جس سے مذاکراتی وفد کی تعداد 14 تک پہنچ گئی، دو دن بعد سیاسی دفتر کے نئے سربراہ ملا برادر اخوند اور مذاکراتی وفد کے نئے ارکان امریکہ کے ساتھ بات چیت جاری رکھنے کے لئے قطر کے دارالحکومت دوحہ پہنچ گئے۔

25 فروری کو مذاکرات کا پانچواں دور شروع ہوا جو 16 دن تک جاری رہا،

پہلی بار امارت اسلامیہ کے سیاسی دفتر کے سربراہ ملا برادر اخوند نے بھی ان مذاکرات میں شرکت کی۔ طویل مذاکرات بہت سارے لوگوں کے لئے نئی بات اور غیر متوقع تھی۔ امریکی وزیر خارجہ مائک پومپیو نے اس معاملے کو پیچیدہ قرار دیا جبکہ امارت اسلامیہ کے ترجمان ذبیح اللہ مجاہد نے بی بی سی سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ وہ امریکی مذاکراتی وفد کے ساتھ کسی بھی مسئلے پر گہری بات کرتے ہیں اس لئے بات چیت کا عمل طویل ہوتا جارہا ہے۔ سوشل میڈیا صارفین لکھتے ہیں کہ طالبان دوسروں کی طرح نہیں ہیں جو امریکہ کے ہر مطالبے پر یس سر (ہاں جناب) کے ساتھ جواب دیتے ہیں بلکہ وہ ہر معاملے پر اپنے زاویے سے دیکھتے ہیں اور معقول دلائل پیش کرتے ہیں لہذا مذاکرات طویل عرصے تک جاری رہتے ہیں

12 اپریل کو امارت اسلامیہ کے مذاکرات کرنے والے وفد کے 11 ارکان، ملا عبدالغنی برادر، شیر محمد عباس ستانکزئی، مولوی عبدالسلام حنفی، ملا محمد فاضل مظلوم، ملا عبدالحق وثیق، ملا خیر اللہ خیر خواہ، ملا نور اللہ نوری، مولوی امیر خان متقی، شیخ مولوی شہاب الدین دلاور، مولوی عبداللطیف منصور اور مولوی ضیاء الرحمن مدنی کے نام اقوام متحدہ کی بلیک لسٹ سے خارج کردیئے گئے اور ان پر عائد سفری پابندیاں بھی ختم کردی گئیں۔ اس وقت امریکی وفد کے سربراہ زلمے خلیل زاد نے پھر علاقائی ممالک اور کابل کا دورہ کیا۔ کابل انتظامیہ نے 29 اپریل کو امن عمل سبوتاژ کرنے کے لئے مشاورتی جرگہ کا انعقاد کیا تاہم سیاسی جماعتوں نے اس سے بائیکاٹ کا اعلان کیا۔

ادھر اشرف غنی کا مشاورتی جرگہ جاری تھا کہ ادھر مذاکرات کا چھٹا دور یکم مئی کو دوحہ میں شروع ہوا۔ یہ مذاکرات 9 دن تک جاری رہے۔ 9 مئی کو سیاسی دفتر کے ترجمان سہیل شاہین نے ٹویٹر پر لکھا کہ "مذاکرات کے اس مرحلے میں بات چیت کے دوران امن معاہدے کے مسودہ تیار کرنے پر پیشرفت ہوئی اور کچھ معاہدے ہوئے۔ دونوں فریق جاکر اپنی قیادت سے متنازع نکات پر مشاورت کریں گے اور اس کے بعد مذاکرات کا ایک نیا دور شروع ہوگا۔

27 مئی کو روس میں بین الافغان مذاکرات کا اجلاس ہوا، یکم جون کو امارت اسلامیہ کے سربراہ شیخ ھبۃ اللہ آخوندزادہ نے عید الفطر کے موقع پر اپنے پیغام میں امن عمل کے بارے میں کہا: امارت اسلامیہ چاہتی ہے کہ وطن عزیز میں افغان عوام کی مرضی کے مطابق ایک خود مختار، اسلامی اور تمام افغانوں پر مشتمل نظام نافذ کیا جائے، اس مقصد کو حاصل کرنے کے ہم نے مسلح جدوجہد کے ساتھ مفاہمت اور مذاکرات کے دروازے کھلے رکھے ہیں، اور اس وقت امریکہ کے ساتھ امارت اسلامیہ کے سیاسی دفتر کی مذاکراتی ٹیم کے ارکان مذاکرات کررہے ہیں۔

29 جون کو امریکہ کے ساتھ مذاکرات کا ساتواں دور شروع ہوا جو 9 جولائی کے بین الافغان مذاکرات کے اجلاس کے انعقاد تک جاری رہا، ساتویں راؤنڈ مذاکرات کے بارے میں تمام فریقوں نے پیشرفت کی بات کی، لیکن توقع کے برخلاف مشترکہ اعلامیہ جاری نہیں کیا گیا، 7 اور 8 جولائی کو بین الافغان مذاکرات شروع ہوئے جب کہ امریکی وفد کے سربراہ زلمی خلیل زاد چین کے دورے پر روانہ ہوئے اور انہوں نے ٹویٹر پر لکھا کہ وہ اس کے بعد امریکہ جائیں گے جہاں وہ امریکی حکام کو رپورٹ پیش کریں گے اور اس کے ساتھ مذاکرات کا یہ دور ختم ہوا۔

3 اگست کو مذاکرات کا آٹھواں دور شروع ہوا، جو چند روز تک جاری رہا۔ میڈیا نے خبریں شائع کیں کہ ممکن ہے اس بار فریقین امن معاہدے کے مسودے پر دستخط کریں گے، اسی وجہ سے مختلف بین الاقوامی میڈیا سے تعلق رکھنے والے صحافی بھی دوحہ گئے تاہم عین موقع پر فریقین نے مذاکرات میں پیشرفت کی بات کی اور مسودے پر دستخط نہیں ہوئے۔ بات چیت کرنے والے ذرائع نے میڈیا کو بتایا کہ امن معاہدے کے ڈرافٹ پر 95 فیصد کام مکمل ہوا۔

بات چیت کے دوران زلمے خلیل زاد نے 6 اگست کو ہندوستان کا دورہ کیا، میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ امریکی افواج کے انخلا کے بارے میں اختلافات ختم ہوگئے اور صرف انخلا کے طریقہ کار اور تکنیکی پہلو پر بات چیت کرنا باقی ہیں۔ 7 اگست کو ملا برادر اخوند کی سربراہی میں طالبان کا وفد ازبکستان روانہ ہوا۔ مذاکرات کا یہ دور 12 اگست کو عید الاضحی کے دوسرے دن اختتام پذیر ہوا، امارت اسلامیہ کے ترجمان ذبیح اللہ مجاہد نے ٹویٹر پر لکھا: مذاکرات کا آٹھواں دور رات کو ڈھائی بجے ختم ہوا، مفید بات چیت ہوئی اور ہم نے طے کیا کہ اگلے مرحلے پر جانے سے قبل اپنی قیادت سے مشاورت کریں گے اور اس کے بعد پھر مذاکرات شروع کریں گے۔

20 اگست کو امریکی وفد کے سربراہ زلمے خلیل زاد کابل پہنچے اور ایک دن بعد

دوحہ پہنچے، 22 اگست کو مذاکرات کا نواں دور شروع ہوا، جو یکم ستمبر تک جاری رہا۔ ان مذاکرات میں افغانستان میں امریکی فوج کے اعلی کمانڈر اسکاٹ میلر نے بھی حصہ لیا۔ صحافیوں کی بڑی تعداد دوحہ گئی تھی، مذاکرات کے دوران قطر کے وزیر خارجہ شیخ محمد بن عبدالرحمن آل ثانی نے ملا برادر اخوند اور زلمے خلیل زاد کے ساتھ مشترکہ ملاقات کی۔ جب یہ راؤنڈ مکمل ہوا تو میڈیا نے خبر شائع کی کہ مسودے کو حتمی شکل دے دی گئی ہے جس پر صرف دستخط باقی ہیں اور اس بات پر غور کیا جارہا ہے کہ مسودے پر دستخط کرنے کی تقریب کس طرح اور کہاں ہونی چاہئے۔ مذاکرات کے بعد زلمے خلیل زاد کابل گئے، اشرف غنی سے ملاقات کی۔ ایوان صدر کے ایک اعلی عہدیدار وحید عمر نے ٹویٹر پر لکھا کہ خلیل زاد نے حتمی مسودہ اشرف غنی کو پیش کیا تھا لیکن ان کے سپرد نہیں کیا، 2 ستمبر کو خلیل زاد نے طلوع نیوز چینل کے ساتھ خصوصی انٹرویو کیا، اس انٹرویو کے اہم نکات یہ تھے: ہم کاغذی کارروائی میں طالبان کے ساتھ امن معاہدہ کرنے کے حتمی نتیجے پر پہنچ چکے ہیں تاہم آخری فیصلہ ٹرمپ کریں گے اور ہم اس کا انتظار کریں گے، اگر معاہدے پر فریقین کے دستخط ہوئے تو ہم 135 دن کے اندر افغانستان میں پانچ فوجی اڈے چھوڑ دیں گے لیکن یہ ابھی تک واضح نہیں ہے کہ ہماری جانب سے امن معاہدے پر کون دستخط کریں گے۔ ہم اور افغان حکمران طالبان کے خلاف مشترکہ جنگ ہار گئے ہیں، بین الافغان مذاکرات جلد ہی شروع ہوں گے لیکن حکومت نے ابھی تک مذاکراتی وفد تشکیل نہیں دی ہے میں کسی بین الافغان مذاکرات میں شامل نہیں ہوں گا لیکن قطر، انڈونیشیا، ناروے، اقوام متحدہ اور دیگر ممالک اس میں شامل ہونے کے خواہشمند ہیں۔ پہلے میرا خیال یہ تھا کہ طالبان کسی دوسرے ملک کے زیر اثر ہیں لیکن نو ماہ کی بات چیت کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ طالبان سب سے زیادہ محب وطن ہیں اور ان کے بارے میں میں نے جو سوچا تھا وہ غلط تھا۔

4 ستمبر کو خلیل زاد اور سکاٹ میلر واپس قطر گئے اور انہوں نے طالبان سے ملاقات کی، بظاہر ایسا لگتا تھا کہ سب کچھ ٹھیک چل رہا ہے اور جلد ہی امن معاہدے کے مسودے پر فریقین دستخط کریں گے لیکن 7 ستمبر کو جو افغانستان میں آٹھ ستمبر کی رات تھی، امریکی صدر ٹرمپ نے اچانک ٹویٹ کر کر کے طالبان کے ساتھ امن مذاکرات کو منسوخ کرنے کا اعلان کر دیا۔ ٹرمپ نے مزید لکھا کہ منصوبہ یہ تھا کہ وہ کیمپ ڈیوڈ میں طالبان رہنماؤں سے ملاقات کریں گے اور امن معاہدے پر دستخط کریں گے لیکن جب طالبان نے کابل میں حملہ کر کے امریکی فوجی کو ہلاک کر دیا تو ہم نے کیمپ ڈیوڈ ملاقات اور امن عمل منسوخ کر دیا۔

ٹرمپ کے اس اچانک اعلان نے امن کے حوالے سے افغان عوام کی امیدوں پر پانی پھیر دیا اگرچہ ٹرمپ نے ایک امریکی فوجی کی ہلاکت کو جواز بنا کر مذاکرات منسوخ کرنے کا اعلان کیا تاہم اس معاملے سے واقف ذرائع نے بتایا کہ ٹرمپ کیمپ ڈیوڈ میں ملاقات سے قبل طالبان سے کچھ منوانا چاہتے تھے جسے قبول کرنے کے لئے طالبان راضی نہیں تھے۔ جب یہ منصوبہ ناکام ہو گیا تو انہوں نے مذاکرات کا عمل منسوخ کر دیا۔ ٹرمپ کے جواب میں طالبان نے اپنے اعلامیے میں لکھا (اب جب امریکی صدر ٹرمپ نے امارت اسلامیہ کے ساتھ مذاکرات منسوخ کرنے کا اعلان کیا ہے اس عمل کی روک تھام سے سب سے زیادہ نقصان امریکہ کو ہو گا، جس سے اس کی ساکھ متاثر، امن مخالف چہرہ بے نقاب اور جانی و مالی نقصان کے علاوہ اس کے کردار کو بھی دنیا میں شک کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

ٹرمپ کے اعلان کے بعد طالبان اور امریکہ کے مابین مذاکرات میں ایک لمبی تاخیر واقع ہوئی لیکن ماہرین کا خیال تھا کہ امریکہ واپس مذاکرات کی میز پر بیٹھ جائے گا، طالبان کے وفد نے ماہ اکتوبر میں پاکستان کا دورہ کیا، انڈونیشیا، روس اور ایران کے دورے کئے گئے، دورہ پاکستان کے دوران انہوں نے زلمے خلیل زاد سے ملاقات کی اور نومبر میں ایک بار پھر امریکی وفد اور طالبان نے قطر میں قیدیوں کے تبادلے کے حوالے سے ملاقات کی جس کے نتیجے میں امریکی یونیورسٹی کے دو لیکچررز کے تبادلے میں تین رہنما (محمد انس حقانی، حافظ عبدالرشید اور مالی خان) رہا ہو گئے۔

2019 کے آخری مہینہ دسمبر میں ایک بار پھر امریکی افواج کے انخلا سے متعلق مذاکرات کا شروع ہوا، 6 دسمبر کو خلیل زاد کی سربراہی میں امریکی وفد قطر پہنچا اور مذاکرات کا دسواں دور شروع ہوا۔ 12 دسمبر کو فریقین نے مذاکرات میں تعطل کا اعلان کیا تاہم یہ کہا کہ وہ جلد ہی دوبارہ مذاکرات شروع کریں گے۔

بین الافغان مشاورتی اجلاس:

پچھلے سال افغانستان کے مختلف سیاسی و سماجی رہنماؤں نے امارت اسلامیہ کے

سیاسی دفتر کے رہنماؤں سے ملاقاتیں کیں، اس سلسلے میں بین الافغان مذاکرات کا پہلا اجلاس 5 فروری کو ماسکو میں ہوا، اس اجلاس کی میزبانی ماسکو میں افغان کمیونٹی کے عہیداروں نے کی جس میں طالبان کی جانب سے شیر محمد عباس ستانکزئی کی سربراہی میں دس رکنی وفد اور کابل سے حامد کرزئی، یونس قانونی، حنیف اتمر، محمد محقق، قطب الدین هلال، زلمی رسول سمیت چالیس سیاسی رہنماؤں نے شرکت کی، کانفرنس میں پاکستان سے آنے والے مہاجرین کے نمائندوں اور بڑی سیاسی جماعتوں کے ممبران نے بھی شرکت کی۔ یہ کانفرنس دو دن تک جاری رہی اجلاس میں شریک تمام شرکاء کا موقف یہ تھا کہ غیر ملکی حملہ آوروں کو افغانستان چھوڑنا چاہئے، افغانستان میں اسلامی نظام نافذ کرنا چاہیے، آئین میں ترمیم کی ضرورت ہے، سرکاری اداروں میں بنیادی اور گہری تبدیلیوں کی ضرورت ہے، افغانستان تمام افغانوں کا مشترکہ گھر ہے اور کسی گروہ کو طاقت کے ذریعہ حکومت کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، اجلاس کے آخر میں نو نکات پر مشتمل ایک اعلامیہ جاری کیا گیا جس میں غیر ملکی افواج کے انخلا اور اسلامی نظام کے نفاذ پر زور دیا گیا، نیز اسی اجلاس میں اسی طرح کی میٹنگوں کے تسلسل پر بھی اتفاق کیا گیا۔

اپریل کے مہینہ میں بھی اسی طرح کی ایک اور بین الافغان کانفرنس کے انعقاد کی خبریں شائع ہوئیں، تنازعات اور انسانی مطالعات کے مرکز کی جانب سے قطر میں مقیم کمیونٹی نے 20 اپریل کو اس اجلاس کے انعقاد کا انتظام کیا تھا۔ طالبان نے اپنی طرف سے کانفرنس کے لئے اپنی تیاریوں کا اعلان کیا اور شرکاء کی فہرست بھی جاری کر دی تاہم مدمقابل خاص طور پر کابل انتظامیہ نے جو بظاہر امن کے دعویدار ہیں اور عملی طور پر امن کی تمام کوششوں کو سبوتاژ کرتے ہیں، نے اس کانفرنس کے التواء کے لئے منفی اقدامات کا آغاز کیا، سب سے پہلے وفود کی تعیناتی اور منسوخی کا اعلان کیا اور اس کے بعد متعدد شرائط پیش کر کے اعلان کیا کہ یہ ہمارے لئے سرخ لکیریں ہیں، کانفرنس سے دو دن قبل کابل انتظامیہ نے ڈھائی سو افراد پر مشتمل ایک فہرست شائع کر دی، اگلے روز قطر سربراہی اجلاس کے منتظمین کا ارادہ تھا کہ وہ دوحہ میں شرکا کی منتقلی کے لئے طیارہ روانہ بھیج دیں لیکن کابل انتظامیہ نے شرکاء کو قطر جانے سے روک دیا اور واضح طور پر اس کانفرنس کی مخالفت کا اعلان کیا جس کے باعث کانفرنس کے سربراہ (سلطان برکات) نے اس بین الافغان کانفرنس کو ملتوی کرنے کی خبر جاری کی، تاہم مختلف ممالک سے افغان شخصیات دوحہ پہنچ گئیں جنوں نے طالبان کے ساتھ مفید ملاقاتیں کیں، اس کانفرنس کی مخالفت کرنے سے کابل انتظامیہ کا امن دشمن چہرہ مزید بے نقاب ہوا

27 مئی کو روسی حکومت نے افغان روس تعلقات کی سو سالہ برسی منانے کے لئے ایک اجلاس کا اعلان کیا، جس میں قطر میں سیاسی دفتر کے ممبران اور کابل کے متعدد سیاستدانوں نے شرکت کی۔ قطر سے امارت اسلامیہ کے سیاسی دفتر کے سربراہ ملا برادر اخوند کی سربراہی میں 14 رکنی وفد ماسکو گیا، جہاں انہوں نے روس افغانستان کے تعلقات کے حوالے سے کانفرنس میں شرکت کی، اس کے بعد 28 اور 29 مئی کو دو روزہ بین الافغان کانفرنس میں حامد کرزئی، عطا محمد نور سمیت متعدد افغان شخصیات سے بھی ملاقاتیں کیں، کانفرنس کے اختتام پر مشترکہ اعلامیہ جاری کیا گیا جس کے مطابق کانفرنس کے تمام شرکاء نے ملک میں جنگ بندی، عام شہریوں کے تحفظ، قیدیوں سے متعلق امور، افغانستان سے غیر ملکی افواج کے انخلا، غیر ملکی مداخلت پر پابندی، اسلامی نظام کے نفاذ، قومی خود مختاری، علاقائی سالمیت، قومی اتحاد، خواتین کے حقوق اور دیگر امور پر مفید بحث کی گئی۔

بین الافغان مفاہمت کا تیسرا اجلاس 7 اور 8 جولائی کو دوحہ میں ہوا، جس میں کابل سے 30 ارکان پر مشتمل سیاسی شخصیات، سول سوسائٹی اور میڈیا کے نمائندوں نے شرکت کی، دو دن تک جاری رہنے والی اس کانفرنس میں مختلف امور پر رہنماؤں نے تبادلہ خیال کیا اور کانفرنس کے اختتام پر آٹھ نکات پر مشتمل اعلامیہ جاری کیا گیا، کانفرنس کے شرکاء نے مسرت کا اظہار کیا جبکہ کابل سے آئے ہوئے ایک شریک نادر نادری نے کہا کہ ان کے اپنے لوگ بھی طالبان کے حامی بن گئے ان بین الافغان کانفرنسوں اور ملاقاتوں کے علاوہ پچھلے ایک سال کے دوران طالبان نے سیاسی اور سماجی شخصیات سے متعدد ملاقاتیں کیں، گزشتہ سال کے دوران مختلف سیاسی جماعتوں کے نمائندے اور سماجی کارکن قطر گئے اور طالبان سے ملاقات کی، ان میں سے 9 نومبر کو امن کے کارکنوں اسماعیل یون، نظر محمد مطمئن، شفیع اعظم، فیض محمد زلاند، ولی اللہ شاہین، اسد اللہ واحدی، خیر اللہ شنواری اور متعدد دوسرے کارکنوں نے قطر کا دورہ کیا اور وہاں پر طالبان رہنماؤں سے مفید ملاقات کی، انہوں نے متعدد بار سیاسی دفتر میں امارت اسلامیہ کی مذاکراتی ٹیم کے ارکان سے ملاقاتیں کیں جب کہ آخری ملاقات میں ملا برادر

اخوند بھی شریک ہوئے۔

نومبر کے پہلے ہفتے میں چین میں ایک اور بین الافغان کانفرنس کے انعقاد کی خبر شائع ہوئی، ستمبر میں ملا برادر اخوند کے دورہ چین کے دوران اس ملک نے مطالبہ کیا کہ ماسکو کی طرح چین میں بھی ایک بین الافغان کانفرنس کا انعقاد کیا جائے گا جس پر ملا بردار اخوند نے مثبت جواب دیا لیکن بعد میں شرکاء کی فہرست پر کابل حکام کے اختلافات کی وجہ سے یہ اجلاس ملتوی ہوا، بہرحال گزشتہ سال بین الافغان کانفرنسوں اور ملاقاتوں کے لحاظ سے اہم رہا جس سے ملک کی سیاسی صورتحال پر مثبت اثر پڑا ہے۔

طالبان کے سیاسی دورے:

پچھلے سال کے دوران طالبان نے کئی اہم غیر ملکی دورے کئے اور ماضی کی بنسبت وہ اس حوالے سے خاصی سرگرم تھے اور بہت سارے ممالک کے سفارتی دورے کیے، ان دوروں کا یہ سلسلہ اس وقت سے آگے بڑھا جب سے ماہ اپریل میں گیارہ طالبان سفارت کاروں کے نام اقوام متحدہ نے بلیک لسٹ سے نکال کر ان پر سفری پابندیاں ختم کرنے کا اعلان کیا۔

امارت اسلامیہ کے سیاسی دفتر کے سربراہ ملا برادر اخوند کی سربراہی میں امارت کے وفد کا پہلا بین الاقوامی دورہ 27 مئی کو روس جانے سے شروع ہوا، جس میں ماسکو میں افغان-روس تعلقات کی 100 ویں سالگرہ منایا گیا، اس تقریب میں روس کے وزیر خارجہ سرگئی لاوروف میزبان تھے، طالبان نے اس تقریب میں اپنا موقف پیش کیا اور اس کے بعد روس کے اعلی حکام سے بھی ملاقات کی۔

خارجہ تعلقات اور دوروں کے حوالے سے طالبان کی کوششوں کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ قطر کے دفتر کے سربراہ ملا برادر اخوند نے اپنے وفد کے ہمراہ گذشتہ سال کی دونوں عید کی چھٹیاں گھر سے دور غیر ملکی سیاسی دوروں پر گزاریں۔ 2 جون کو عید الفطر کے دن ملا برادر اخوند کی سربراہی میں طالبان کا وفد ایران کے غیر اعلانیہ دورے پر گیا اور اس ملک کے اعلی حکام سے ملاقات اور بات چیت کی، ایک ہفتہ بعد 11 جون کو ملا برادر اخوند اور ان کے وفد نے عوامی جمہوریہ چین کا غیر اعلانیہ دورہ کیا، جہاں انہوں نے چینی وزیر خارجہ کے نائب سمیت متعدد حکام سے ملاقات کی۔

27 جولائی کو میڈیا نے خبر شائع کی کہ ملا برادر اخوند کی سربراہی میں طالبان کا ایک وفد انڈونیشیا گیا ہے، اس دورے کے دوران طالبان نے انڈونیشیا کے نائب صدر (یوسف کالا) وزیر خارجہ (ریتنو لستاری) اور دیگر حکام کے علاوہ علمائے کرام کی تنظیم (نہضت العلماء) اور علماء کرام کے 60 گروپوں کے اتحاد مجلس العلماء سے تفصیلی ملاقاتیں کیں۔

7 اگست کو ملا برادر اخوند کی سربراہی میں طالبان کے ایک وفد نے سرکاری دعوت پر ازبکستان کا دورہ کیا، یہ انڈونیشیا کے بعد طالبان کا ایک اور اہم دورہ تھا، طالبان نے ازبکستان کے وزیر خارجہ سمیت اہم عہدیداروں سے ملاقات کی، امام بخاری رحمہ اللہ کے مزار اور دیگر تاریخی مقامات کا دورہ کیا۔ سمرقند کے گورنر نے وفد کے اعزاز میں عشائیہ دیا، ازبکستان کے حکام نے ملا برادر اخوند کو ملک کے سربراہ کی طرح پروٹوکول دیا، انہیں خصوصی جبہ دیا اور گرم جوشی کے ساتھ ان کا پرتپاک استقبال کیا، امارت اسلامیہ کے ترجمان نے اس دورے کے بارے میں لکھا (ملا برادر اخوند نے ازبک وزیر خارجہ سے کہا ہے کہ ازبکستان نے افغانستان میں جن اقتصادی منصوبوں پر کام شروع کیا ہے وہ مکمل کریں جیسے افغانستان کے شمال تک بجلی کی فراہمی، دونوں ممالک کے درمیان تجارت میں توسیع کے پیش نظر مزار شریف جانے والی ریلوے لائن کی تکمیل اور یقین دہانی کرائی ہے کہ امارت اسلامیہ اپنے زیر کنٹرول علاقوں میں تعاون کرنے کے لئے تیار ہے کیونکہ یہ منصوبے خصوصی نہیں ہیں، ان کا تعلق امارت اسلامیہ سے ہے اور نہ ہی کابل انتظامیہ کے رہنماؤں کی ملکیت نہیں ہے بلکہ یہ پوری قوم یعنی عام افغان کی ملکیت ہے اور ان کے مفاد میں ہے ماہ ستمبر کے شروع میں جب امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے امن مذاکرات کے خاتمے کا اعلان کیا تو طالبان نے علاقائی ممالک کے دورے شروع کیے۔ 14 ستمبر کو میڈیا نے خبر شائع کی کہ شیر محمد عباس ستانکزئی، قاری دین محمد حنیف اور محمد سہیل شاہین سمیت تین رکنی طالبان کے وفد نے ماسکو کا دورہ کیا، جناب ستانکزئی نے روس کے سرکاری ٹیلی وژن کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ "افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جب بھی ہم کسی حتمی معاہدے پر پہنچ جاتے ہیں تو امریکیوں کی جانب سے مذاکرات منسوخ کردیئے جاتے ہیں۔" یہ تیسرا موقع ہے کہ ٹرمپ نے حالیہ مذاکرات کو منسوخ کرنے کا اعلان کر دیا، اس سے قبل بارک اوباما کے دور میں بھی دو بار امن مذاکرات منسوخ کر دیئے گئے تھے۔

17 ستمبر کو قطر دفتر کے ترجمان محمد سہیل شاہین نے ٹویٹر پر لکھا کہ مولوی عبدالسلام حنفی کی سربراہی میں طالبان کے وفد نے ایران کا دورہ کیا اور اس ملک کے اعلی حکام سے ملاقات اور بات چیت کی، اسی دن ایوان صدر کے ترجمان صدیق صدیقی نے کہا کہ بیرونی ممالک کی جانب سے طالبان کی مہمان نوازی اور انہیں پروٹوکول دینا اصولوں اور جمہوری اقدار کے خلاف اقدام ہے، واضح رہے کہ کابل انتظامیہ کے اعلی حکام ہمیشہ طالبان کے سیاسی دوروں کے بارے میں اعتراض کرتے ہیں۔

22 ستمبر کو سیاسی دفتر کے ترجمان جناب سہیل شاہین نے لکھا: ملا برادر اخوند کی سربراہی میں سیاسی دفتر کا ایک نو رکنی وفد چین کے دورے پر روانہ ہوا، وفد نے بیجنگ میں چین کے خصوصی ایلچی برائے افغانستان مسٹر ڈین شیجو اور ان کے وفد سے ملاقات کی، ملاقات میں رہنماوں نے امارت اسلامیہ اور امریکہ کی مذاکراتی ٹیموں کے درمیان امن مذاکرات اور معاہدے پر تبادلہ خیال کیا۔ افغانستان کے لئے چین کے خصوصی نمائندے نے کہا کہ یہ معاہدہ افغانستان کے مسئلے کے پرامن حل کے لئے ایک اچھا فریم ورک ہے اور ہم اس کی حمایت کرتے ہیں۔ ملا برادر اخوند نے کہا: "ہم نے افغان تنازع کے پرامن حل نکالنے کے لئے مذاکرات کئے اور ایک حتمی نتیجے پر پہنچ گئے اور معاہدے پر دستخط کرنے کے لئے تیاری بھی مکمل کرلی، تاہم عین موقع پر امریکہ نے امن معاہدہ منسوخ کر کے ثابت کر دیا کہ امریکہ کسی معاہدے کی پاسداری نہیں کرتا اور اس کے نتیجے میں افغانستان میں اگر پر تشدد واقعات میں اضافہ ہوتا ہے تو اس کا ذمہ دار بھی امریکہ ہوگا، ملا برادر اخوند نے کہا کہ ہم ہر قیمت پر اپنی قوم، ملک اور اسلامی اقدار کا دفاع کرتے رہیں گے۔

غیر ملکی دوروں کے سلسلے میں 2 اکتوبر کو ملا برادر اخوند کی سربراہی میں اعلی سطحی وفد نے پاکستان کا دورہ کیا، وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی نے ان کا استقبال کیا، جن کے ہمراہ پاکستانی حکومت کے متعدد سویلین اور فوجی عہدیدار بھی موجود تھے۔

اس ملاقات میں امن مذاکرات کے علاوہ پاکستان میں مقیم افغان مہاجرین، تعلیم، صحت، کاروباری مسائل، سرحدوں اور راہداری کے مسائل اور قیدیوں کے مسائل پر بھی تبادلہ خیال کیا گیا اور اس سلسلے میں پاکستانی حکام نے تعاون کرنے کا بھی وعدہ کیا۔ دورہ پاکستان کے موقع پر امارت اسلامیہ کے وفد نے امریکی مذاکراتی وفد کے سربراہ زلمے خلیل زاد سے بھی ملاقات کی۔

23 نومبر کو ملا برادر اخوند کی سربراہی میں وفد نے ایران کا دورہ کیا اور وزیر خارجہ جواد ظریف سمیت متعدد ایرانی عہدیداروں سے ملاقات اور بات چیت کی، ان دوروں کے علاوہ مختلف ممالک کے سینئر سفارتکاروں نے گذشتہ سال قطر میں طالبان کے سیاسی دفتر کا بھی دورہ کیا۔ سال بھی رہنماوں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہا، اس سلسلے میں انڈونیشیا، ازبکستان، چین، روس، امریکہ اور اقوام متحدہ کے اعلی سطحی وفود نے متعدد بار قطر میں امارت اسلامیہ کے نمائندوں سے ملاقاتیں کیں، ملاقاتوں اور سیاسی دوروں کا یہ عمل امارت اسلامیہ کی فعال سفارتکاری کا عکاس تھا، جس نے عالمی سطح پر طالبان سے متعلق منفی ذہنیت کو بدلا اور طالبان کی سیاسی جدوجہد کو تقویت بخشی۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ 2020 میں بھی طالبان کو اللہ تعالی ایسی ہی کامیابیاں عطا فرمائے، یہ شہداء کے لہو کی برکت ہے جس کی وجہ سے امریکہ جیسا سپر پاور ملک بھی آج طالبان سے مذاکرات کی بھیک مانگ رہا ہے، ہمیں تو وہ دور اچھی طرح یاد ہے جب امریکہ نے نام نہاد دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر افغانستان پر حملہ کیا اور کسی داڑھی اور پگڑی والے کو معاف نہیں کیا، طالبان کے لئے دو راستے تھے، شہادت یا جیل، قابض امریکی فوج نے افغانستان میں جن جرائم کا ارتکاب کیا، انسانیت شرما گئی، تاہم امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد رحمہ اللہ کی پیش گوئی درست ثابت ہوئی، آج وہی امریکہ امن کی راہ تلاش کر رہا ہے، طالبان کو اللہ تعالی نے اپنی مدد سے نوازا اور آج کے ستر فیصد رقبے پر دوبارہ ان کا کنٹرول ہے، عوام اور سیاسی جماعتوں نے طالبان کو ملک کی نجات اور آئندہ مستقبل کے لئے اہم قرار دیا، اب تمام لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ افغانستان سے غیر ملکی افواج کا انخلا اور اسلامی نظام کا نفاذ ناگزیر ہو چکا ہے، علاقائی اور خطے کے ممالک نے بھی طالبان سے متعلق اپنی پالیسی تبدیل کر کے انہیں سرکاری سطح پر پروٹوکول دیا اور افغانستان کی مضبوط سیاسی و عسکری قوت کے طور پر دیکھ رہے ہیں جو ہر حوالے سے نیک شگون ہے۔

لیبیا میں ترک کردار اور عربوں کا خوف

حسن مہمند

لیبیا ایک بار پھر عالمی سطح پر خبروں میں سرفہرست ہے۔ 2011 میں معمر قذافی کی حکومت ختم ہونے سے لیبیا میں خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ لیبیا کی سیکورٹی صورت حال سو فیصد درست تھی۔ وہ ایک خوش حال ملک تھا۔ اب یہاں بدامنی، فسادات، غربت، طوائف الملوکی اور دیگر مسائل کا راج ہے۔ مختلف ناموں سے مختلف مقاصد کے لیے سیکڑوں جماعتیں ہیں، جو ایک دوسرے کے خلاف لڑ رہی ہیں۔ بڑی سطح پر دو فریق ایک دوسرے کے مقابل ہیں اور خبروں میں صرف انہی دونوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ایک مرکزی انتظامیہ کے نام سے فائز السراج کی حکومت ہے، جسے اقوام متحدہ اور عالمی دنیا نے تسلیم کیا ہے۔ ترکی کے اکثر عوام ان کے حامی ہیں۔ دوسری جانب باغی جنرل خلیفہ حفتر کی قیادت میں مسلح لوگوں کا گروپ ہے۔ جنرل حفتر کی ملیشیا خود کو قومی فوج قرار دیتی ہے۔ مصر، فرانس، امارات، سعودیہ، اردن اور روس اس کے حامی ہیں۔ لیبیا کے کئی شہر اس گروپ کے قبضے میں ہیں۔ بھاری اسلحہ کے ساتھ جنگی طیارے اور ہیلی کاپٹر بھی اس کے پاس ہیں۔ حال ہی میں ان کی ایک بمباری میں حکومتی فورسز کے 28 فوجی ہلاک ہوئے ہیں۔

لیبیا حکومت نے جنرل حفتر کی جانب سے دارالحکومت طرابلس پر ممکنہ حملہ روکنے کے لیے ترکی، اٹلی، برطانیہ، امریکا اور پڑوسی ملک الجزائر سے مدد مانگی اور کہا کہ لیبیا کے عوام کو جنگ میں گرنے سے بچائیں۔ ترکی کے علاوہ کسی ملک نے بھی اس درخواست کا جواب نہیں دیا۔ 26 دسمبر کو لیبیا کے وزیر داخلہ فتحی باشانے پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ باغی جنرل حفتر کی ملیشیا کی سرکوبی کے لیے لیبیا کی مرکزی حکومت نے فوجی تعاون مانگا ہے۔ دوسری جانب ترک صدر طیب اردوان نے اسی دن اپنے ایک بیان میں کہا کہ ترکی لیبیا کو فوج دینے پر غور کر رہا ہے۔ لیبیا حکومت نے ترکی سے زمینی، سمندری اور ہوائی تعاون مانگا تھا۔ اسی دن دونوں ممالک کے درمیان دفاعی معاہدہ بھی طے پایا تھا۔ 27 دسمبر کو لیبیا کی مرکزی حکومت کے سربراہ فائز السراج نے طیب اردوان سے ملاقات کی اور پھر خبر پھیل گئی کہ دونوں ممالک کے درمیان دو معاہدے ہوئے ہیں۔ ایک دفاعی اور دوسرا بحر ابیض متوسط میں دونوں ممالک کی سمندری حدود کے تعین کا۔ ان معاہدوں کے

اگلے روز لیبیا کی وزارت دفاع اور داخلہ نے ترکی سے عسکری امداد کا قانونی مطالبہ کیا اور ترکی نے بھی بری، سمندری اور فضائی تعاون کی یقین دہانی کرائی۔

لیبیا میں ترک فوج بھیجنے کے فیصلے کے چند روز قبل ترک پارلیمنٹ نے اس کی تصویب کی اور لیبیا میں ترک فوج کے داخلے کا آغاز ہوگیا۔ دونوں ممالک کے درمیان ہونے والے ان معاہدوں پر عرب دنیا کے اکثر ممالک نے ناراضی کا اظہار کیا ہے۔ خصوصاً مصر اور متحدہ عرب امارات نے تنقید کی ہے۔ اسے خطے کے امن کے لیے خطرہ قرار دیا ہے۔ دوسری جانب یونان، قبرص اور اسرائیل نے بھی ان معاہدوں پر اعتراضات کیے ہیں۔ ان ممالک کے مطابق لیبیا کے ساتھ اس معاہدے کے بعد ترکی بحیرہ روم میں تیل اور گیس کی تلاش کی کوشش کرے گا۔ جس سے ان ممالک کے مفادات کو خطرات لاحق ہو جائیں گے۔ مصر کا کہنا ہے لیبیا کے ساتھ ترکی کی سمندری سرحد لگنے سے دونوں ممالک کے درمیان آمد و رفت آسان ہو جائے گی۔ فوجی تعاون بہت مضبوط ہوگا، جو خطے کے لیے اچھی خبر ہرگز نہ ہوگی۔ ترکی نے 2013ء میں مصر کے منتخب صدر محمد مرسی کے خلاف ہونے والی فوجی بغاوت کی مخالفت کی تھی۔ اس وقت سے اب تک دونوں ممالک کے درمیان سفارتی کشیدگی موجود ہے۔ لیبیا میں ترک فوج بھیجنے کا فیصلہ فائز السراج اور امریکی صدر کی مرضی کے مطابق ہوا ہے۔ ٹرمپ نے کہا ہے کہ اس سے خطے میں کشیدگی اور بڑھے گی۔ حفتر نے طیب اردوان کو شدت پسند ڈکٹیٹر قرار دیا اور کہا کہ وہ خلافت عثمانیہ کا دوبارہ احیا چاہتے ہیں۔ اردوان نے کہا کہ اگر حفتر ملیشیا نے طرابلس پر حملہ کیا تو اسے ناقابل فراموش سبق دیں گے۔

لیبیا کی موجودہ حکومت مرکزی قومی انتظامیہ کے طور پر جانی جاتی ہے۔ یہ بڑے فسادات کے بعد اقوام متحدہ کے زیر نگرانی قائم ہے۔ یہ انتظامیہ 2017 میں مراکش میں صخیرات شہر میں مختلف گروہوں کے درمیان مذاکرات کے نتیجے میں سامنے آئی اور فائز السراج اس کے سربراہ بنے۔ اب یہ لیبیا کی قومی حکومت ہے۔ لیبیائی عوام اس کے ہمنوا ہیں۔ اس کے باوجود مصر، متحدہ عرب امارات، اردن، سعودی عرب، فرانس اور روس اس انتظامیہ کے بجائے باغی جنرل کی حمایت کر رہے ہیں۔ یہی ممالک ترکی اور لیبیا کے درمیان ہونے والے معاہدوں پر اعتراضات

کرتے ہیں۔ اردوان کا کہنا ہے کہ ترکی آزاد ملک ہے۔ لیبیا بھی قانونی حکومت رکھنے والا ایک آزاد ملک ہے۔ لیبیا جس بھی ملک سے جو معاہدے کرنا چاہے، کسی اعتراض کا حق نہیں ہے۔ ترکی نے لیبیا میں کسی فعال عسکری تنظیم یا دہشت گرد تنظیم سے معاہدہ نہیں کیا ہے، بلکہ اس حکومت سے معاہدہ کیا ہے، جو اقوام متحدہ کے زیر نگرانی قائم ہے۔ ترکی نے اس سلسلے میں لیبیا کے کچھ پڑوسی ممالک کو راضی کرنے اور انہیں اعتماد میں لینے کی کوشش بھی کی ہے۔ اسی سلسلے میں طیب اردوان نے 25 دسمبر کو تیونس کا دورہ کیا۔ نئے منتخب صدر قیس سعید کے ساتھ قرتاج قصر میں طویل ملاقات کی۔ انہیں لیبیا کے ساتھ ترکی کے رابطوں کے حوالے سے اطمینان دلایا۔ تیونس کے نئے صدر بھی طیب اردوان کی طرح مصر کے ڈکٹیٹر السیسی پر تنقید کرتے اور غزہ میں محصور مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے مصر اور اس کے اتحادی ممالک کے ساتھ تیونس کے سفارتی تعلقات خراب ہونے کے خطرات میں اضافہ ہوا ہے۔ طیب اردوان کے تیونس میں گرم جوش استقبال نے بھی مصر اور خلیجی ممالک کو پریشان کر دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے ترکی بہت تیزی سے لیبیا کے ساتھ رابطے بہتر بنانے اور یہاں اپنا اثر و نفوذ بڑھانے کے لیے اقدامات کر رہا ہے۔

سعودی عرب، مصر اور متحدہ عرب امارات نے یہاں ترکی کے قدم رکھنے کی شدید مخالفت کی ہے۔ اسے عرب نیشنلزم کے مقابلے میں عثمانی خلافت کے دوبارہ احیا کی کوشش کے مترادف قرار دیا ہے۔ عربوں کے اس رد عمل کو دیکھتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ عنقریب یہ بات عرب لیگ میں بھی اٹھائی جائے گی۔ 2019 کے اکتوبر میں شام میں ترک فوج کے آپریشن کی بھی عرب ممالک نے مخالفت کی تھی۔ مصر نے یہ بات عرب لیگ کے اجلاس میں اٹھائی تھی۔ یاد رہے، روس بھی لیبیا میں ترک فوج کے داخلے کا مخالف ہے۔ ترکی جانتا ہے کہ روس باغی جنرل حفتر کے ساتھ تعاون کر رہا ہے، مگر ترکی اور روس کے ایک دوسرے سے اچھے تعلقات ہیں۔ دونوں ان تعلقات کو خراب کرنا نہیں چاہتے۔ اس لیے امید ہے ترکی روس کو اپنا ہمنوا بنانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ لیبیا جنگ بندی کے لیے ماسکو اجلاس کا انعقاد اس بات کا ثبوت ہے۔

ترکی اور روس کی کوششوں سے فائز السراج اور جنرل حفتر کو آپس میں جنگ بندی کے لیے ماسکو بلایا گیا تھا۔ دونوں نے جنگ بندی پر آمادگی بھی ظاہر کی تھی۔ بعد ازاں صرف فائز السراج نے اس معاہدے پر دستخط کیے اور جنرل حفتر معاہدے پر دستخط کیے بغیر ماسکو چھوڑ کر چلے گئے۔ طیب اردوان نے کہا کہ حفتر بھاگ گیا ہے۔ چند دن قبل جب ملائیشیا کے دارالحکومت کوالالمپور میں اسلامی ممالک کی کانفرنس منعقد ہوئی تو امریکا اور مغربی ممالک کے ساتھ ساتھ سعودی عرب، مصر، متحدہ عرب امارات، اردن سمیت کچھ عرب ممالک کو بھی خدشات پیدا ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ یہ کانفرنس 'اسلامی کانفرنس' پر سوالات کھڑے کرتی ہے۔ کانفرنس کے اختتامی سیشن میں میزبان ملک کے سربراہ مہاتیر محمد نے اس خیال کو مسترد کر دیا اور کہا کہ یہ کانفرنس کسی دوسری کانفرنس کے مقابلے میں نہیں بنی ہے۔ صرف اسلامی ممالک کے درمیان آپس کے روابط اور تعاون کی ایک نئی کوشش ہے۔ تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ عربوں کو خطرہ ملائشیا سے نہیں ہے۔ ملائیشیا کے ساتھ تمام عرب ممالک خصوصا سعودی عرب کے اچھے تعلقات ہیں۔ اصل بات ترکی، ایران اور قطر کی ہے۔ اس کانفرنس میں اصل کردار ترک صدر طیب اردوان، ایرانی صدر حسن روحانی اور قطر کے امیر شیخ تمیم بن احمد آل ثانی کا تھا۔ یہ وہ ممالک ہیں، جو خود کو آزاد خارجہ پالیسی کا خواہاں بتاتے اور امریکی مظالم کے خلاف منظم جدوجہد چاہتے ہیں۔ ان تینوں میں سے ترکی وہ ملک ہے، جسے سعودی عرب اور دیگر عرب ممالک اپنے لیے خطرہ قرار دیتے ہیں۔ مغرب عربوں کو ڈراتا ہے کہ ترکی نے تین اطرف سے عرب دنیا کو اپنے محاصرے میں کر لیا ہے۔ افریقا کے الجزائر، وسطی جمہوری افریقا، چاڈ، نائجیریا اور سوڈان کے ساتھ ترکی کے سفارتی تعلقات بہت اچھے ہیں۔ یہ ممالک ترکی کے بہت قریب ہیں۔

شام اور عراق پر مشتمل مشرق وسطی کی 'الہلال الخصیب' نامی پٹی میں ترک فوجوں کی موجودگی ترکی کے اثر و نفوذ کی علامت سمجھی جاتی ہے۔ لیبیا کے ساتھ معاہدے کے مطابق اس ملک میں فوج بھیجنے کے فیصلے نے عربوں کو مزید پریشان کر دیا ہے۔ وہ خود کو واقعتا ترکی کے محاصرے میں بند محسوس کرنے لگے ہیں۔ عربوں کا خیال ہے ترکی عثمانی خلافت کا احیا چاہتا ہے۔ جسے یہ لوگ عرب نیشنل ازم کے خاتمے کے مترادف سمجھتے ہیں۔ دوسری جانب مغربی ممالک بھی اپنے میڈیا کے ذریعے ایسا پروپیگنڈا کر رہے ہیں کہ ترکی عثمانی خلافت کے دوبارہ احیا کی جانب قدم اٹھا رہا ہے۔ اس طرح ترکی پھر سے عربوں کے علاقے اپنے قبضے میں لانا چاہتا ہے۔ باوجود یہ کہ ترکی کی تیز ترقی یا اسلام پسند قوتوں کی مضبوطی مغرب کے لیے قابل قبول نہیں ہے۔ خصوصا امریکا کی کوشش ہے کہ ترکی کو داخلی اور بیرونی جنگوں میں گھیر لے۔ ترکی بھی مغرب کے یہ عزائم جانتا ہے۔ اس لیے وہ بہت احتیاط سے قدم اٹھا رہا ہے۔ احتیاط سے مغرب کے مقابلے میں جرات سے بھی کام لے رہا ہے۔ کوالالمپور کانفرنس اور لیبیا کے ساتھ معاہدے کے بعد فوج بھیجنے کا فیصلہ سپر طاقتوں کے لیے پیغام ہے کہ اسلامی دنیا کے حوالے سے ان کی جاری پالیسی شدید ناکام ہے۔ کوالالمپور کانفرنس میں طیب اردوان نے کھل کر اس کا اظہار بھی کیا ہے۔ کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے حوالے سے کہا کہ اس نے پوری دنیا کو پانچ ممالک کی غلامی میں دے دیا ہے۔ یہی پوری دنیا میں تمام مسائل کی جڑ ہیں۔

امارت اسلامیہؒ اور امریکی مذاکرات قدم بقدم

اکرم تاشفین

امارت اسلامیہ اور امریکا کے مذاکرات کی تازہ ترین صورت حال یہ ہے کہ امریکی نمائندہ زلمی خلیل زاد ناروے کے شہر بروکسل میں ناٹو اور امریکی حکام کے ساتھ طویل مشاورت کے بعد پاکستان گئے اور وہاں سے افغانستان آچکے ہیں۔ کابل انتظامیہ کے صدر اشرف غنی اور دیگر افغان رہنماؤں سے الگ الگ ملاقاتیں کر چکے ہیں۔ معاہدے کے بارے میں نئی پیش رفت یا عدم پیش رفت کے حوالے سے انہیں آگاہ کر چکے ہیں۔ اس دوران میڈیا پر ان کا یہ بیان آیا ہے کہ مذاکرات پر کوئی تازہ پیش رفت نہیں ہوئی ہے۔

قارئین کرام! میڈیا پر جاری بیانات اور صورتحال سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ مذاکرات اس وقت امریکا کی جانب سے اس شرط آکر اٹک گئے ہیں کہ وہ معاہدے سے پہلے جنگ بندی کا اعلان چاہتے ہیں۔ اس کے لیے پہلے دائمی جنگ بندی، پھر کچھ مہینوں اور بعد ازاں دس دن کی جنگ بندی کا مطالبہ کیا گیا۔ امارت اسلامیہ کو یہ سب منظور نہیں تھا۔ بعد ازاں امریکا نے امارت اسلامیہ کی جانب سے جنگ بندی کی بجائے کشیدگی میں کمی کرنے کے اتفاق رائے کو تسلیم کر لیا۔ امارت اسلامیہ نے امن معاہدے کی جانب قدم بڑھانے اور معاہدے کو متاثر ہونے سے بچانے کے لیے یہ قدم اٹھایا۔ مگر "تشدد اور کشیدگی میں کمی" کی تعریف پر آکر امریکا نے پھر سے روڑے اٹکانے شروع کر دیے۔ حقیقت یہ ہے کہ اشرف غنی انتظامیہ اور خود بعض امریکی حکام امن معاہدہ نہیں چاہتے۔ بار بار طے شدہ معاملات پر پھر سے شرائط رکھی جاتی ہیں۔ جنگ بندی کے موضوع کو لے کر ایک بار پھر یہ پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے کہ طالبان امن معاہدے کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ مگر دوسری جانب زلمے خلیل زاد نے افغان رہنماؤں کو بین الافغانی مذاکرات کے لیے تیار رہنے کی ہدایت کر دی ہے۔ افغان سیاسی رہنماؤں نے کہا ہے کہ اشرف غنی طالبان سے مذاکرات کے لیے دائمی جنگ بندی کی شرط ڈال کر بین الافغانی مذاکرات کو سبوتاژ کرنا چاہتے ہیں۔ طالبان سے غیر مشروط مذاکرات ہونے چاہئیں۔ حامد کرزئی اور ڈاکٹر عبداللہ دونوں کا یہی موقف ہے۔ بین الافغانی مذاکرات کی تیاری سے معلوم ہوتا ہے معاہدے کا وقت قریب ہے۔ کیوں کہ یہ مذاکرات امن معاہدے کے بعد ہی ہوں گے۔

یہ معاہدہ کب طے پاتا ہے اس بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا مگر اب بہت سی رکاوٹوں پر قابو پایا جا چکا ہے۔ محترم سہیل شاہین صاحب نے گذشتہ ماہ جنوری میں بھی کہا تھا کہ معاہدہ اس ماہ ہی ہو جانے کے امکانات ہیں۔ مگر ناٹو اور امریکی حکام کی طویل مشاورتیں تکمیل کو تا حال نہ پہنچ سکیں۔

قارئین! 7 اکتوبر 2001 کی وہ رات تو سب کو یاد ہوگی جب امریکا بدمست ہو کر چڑھ دوڑا تھا افغانستان کے کوہساروں پر۔ بارود اور آتش کی برسات نے سرما کی وہ سردیاں دو عشروں کے جنگ زدہ افغان عوام پر دہکتا الاؤ بنا دی تھیں۔ امریکا نے اس وقت تو بہت کچھ سوچ رکھا تھا خدا کی شان مگر بڑی بے نیاز ہے۔

امارت اسلامیہ کی عقب نشینی کے بعد امریکا نے امارت اسلامیہ اور القاعدہ کے تمام رہنماؤں کو بلا امتیاز بلیک لسٹ میں ڈال کر پوری دنیا میں ان کے سفر پر پابندی عائد کر دی تھی۔ دس سال تک امریکا افغانستان کے کوہساروں سے سر ٹکراتا رہا۔ ٹیکنالوجی، منصوبہ بندی، میزائل، طیارے، جاسوسی نیٹ ورک، کیا کیا دعوے دنیا نے سنے اور دیکھے۔ بستیاں تباہ کر دیں، گاؤں مٹا دیے اور افغانستان کے بے بس غریب عوام کی زندگیوں سے خوب کھیلا۔ دس سال تک خود بھی بے رحم پہاڑوں سے لہولہان ہونے کے بعد 2011 میں پہلی بار امریکا کو خیال آیا کہ جنگ نہیں اب مذاکرات سے مسئلے کا حل ہونا چاہیے۔ امریکی صدر بارک اوباما نے افغانستان سے متعلق امریکا کی پالیسی کا از سر نو جائزہ لیا اور یہ طے کیا کہ طالبان اور القاعدہ کی فکری اور انتظامی علیحدگی کو تسلیم کیا جائے اور اسی طرح سے انہیں ڈیل کیا جائے۔ امریکا کی پالیسی میں اس تبدیلی کا محرک بھی اس وقت کے امریکی نمائندہ برائے افغانستان

ویا پاکستان رچرڈ ہالبروک کو قرار دیا جاتا ہے۔ جن کا 14 دسمبر 2010 کو انتقال ہو گیا۔

ایک بات مگر واضح ہونی چاہیے کہ مذاکرات سے 2011 میں بھی امریکا کا مقصد صلح یا امن کی جانب کوئی قدم اٹھانا نہیں تھا۔ بلکہ مذاکرات کی دعوت دے کر وہ امارت اسلامیہ کے درمیان اختلاف کی دراڑ ڈالنا چاہتا تھا۔ امریکا کا خیال تھا کہ اس طرح جنگ سے بے زار ساری امارت اسلامیہ یا اس کے کچھ رہنما الگ ہو جائیں گے اور کابل کی کٹھ پتلی انتظامیہ کے زیر سایہ آکر سیاست میں حصہ لینے لگ جائیں گے۔ یعنی پہلے ٹیڑھی انگلی کا استعمال کیا، اب سیدھی انگلی سے گھی نکالا جائے گا۔ امارت اسلامیہ کے سابق رہنماؤں کے ذریعے بھی امارت سے رابطہ کی کوشش کی گئی۔ اس وقت کی امریکی وزیر خارجہ ہیلری کلنٹن نے بارہا کہا تھا کہ اب وقت آگیا ہے کہ طالبان ہتھیار ڈال کر مذاکرات کریں اور سیاسی عمل میں شریک ہوں۔

افغانستان کے مسئلے پر امریکا کی جانب سے نظر ثانی اور اس کے پر امن حل کا فیصلہ کرنے کے بعد اس نے کابل انتظامیہ کو اس کے لیے متحرک کر دیا۔ اس وقت کی انتظامیہ کے صدر حامد کرزئی نے اس کے لیے کچھ اقدامات کیے جو کامیاب نہ ہو سکے۔ پہلے انہوں نے صبغت اللہ مجددی صاحب کو یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ امارت اسلامیہ کو مذاکرات کی دعوت دیں اور پر امن حل کے لیے قائل کریں۔ انہوں نے آتے ہی اعلان کر ڈالا کہ طالبان ہتھیار ڈال دیں اور نئے آئین کو تسلیم کر لیں۔ ظاہر ہے مذاکرات سے قبل اس طرح کی شرائط اور یہ لہجہ کسی طور مذاکرات کے لیے راہ ہموار نہیں کرتا۔ دوسری کوشش سعودی عرب کے ذریعے کی گئی۔ سعودی حکومت نے طالبان نمائندوں سے ملاقات کر کے انہیں مذاکرات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ مگر سعودی عرب نے بھی دیگر شرائط کے ساتھ طالبان کے سامنے جنگ بندی اور نئے آئین کو تسلیم کرنے کی شرط رکھی۔ اس کا بھی انجام وہی ہوا جو پہلی کوشش کا ہوا تھا۔ اگلے قدم میں حامد کرزئی افغان ہائی پیس کونسل کے نام سے ایک کمیٹی قائم کی۔ اس کا سربراہ برہان الدین ربانی کو بنایا گیا۔ کمیٹی کی ذمہ داری بھی یہی تھی کہ وہ طالبان سے رابطہ کریں اور انہیں ہتھیار ڈال کر آئین کو تسلیم کرنے اور سیاسی عمل کا حصہ بننے پر راضی کریں۔ اس کے بعد اگلے مرحلے میں حامد کرزئی نے پاکستان حکومت سے رابطہ کرنے شروع کر دیے۔ خود حامد کرزئی کا کہنا ہے افغانستان کی پوری تاریخ میں میں وہ واحد حکمران ہوں جس نے سب سے بڑھ کر پاکستان سے بہتر تعلقات رکھے اور پاکستان کے 19 دورے کیے۔ حامد کرزئی کا خیال تھا جیسا کہ کابل انتظامیہ کا روز اول سے پروپیگنڈا ہے کہ پاکستان طالبان پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔ مگر ان کی یہ آرزوئیں بھی خیال خام ثابت ہوئیں۔ اگلے قدم میں حامد کرزئی نے خود بڑھ کر بڑے بڑے اجتماعات اور جرگوں میں طالبان کو دعوت دی کہ وہ آکر سیاسی عمل کا حصہ بن جائیں۔ انہوں نے پہلی بار تسلیم کیا کہ یہ اپنے وطن کے بیٹے ہیں اس لیے اپنے وطن کی خدمت کے لیے آگے آئیں اور سیاست کا حصہ بن جائیں۔

تمام تر کوششوں میں مایوسی کے بعد امریکا نے خود بڑھ کر طالبان کو سیاست کی جانب دعوت دینے کا فیصلہ کیا اس کے لیے 18 جون 2011 کو امریکا نے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں یہ قرارداد پاس کروایا کہ القاعدہ اور طالبان کو دو الگ الگ فہرستوں میں ڈالا جائے گا۔ یہ دونوں تنظیمیں فکری اور انتظامیہ لحاظ سے الگ الگ ہیں اس لیے انہیں ایک سمجھنا اور ایک سا سلوک کرنا غلط ہے۔ یہ القاعدہ اور دیگر دہشت گرد تنظیموں سے تعلق ختم کر کے افغانستان کے سیاسی عمل میں شریک ہونا چاہیں تو ان کو عام معافی دی جا سکتی ہے۔ امارت اسلامیہ کے لیے مگر یہ ساری چیزیں مضحکہ خیز تھیں۔ امارت اسلامیہ کے عظیم مقصد اور مشن اور مجاہدین کی عظیم قربانیوں کو سیاست کی کرسیوں میں تولنے والوں پر ہنسا ہی بنتا تھا۔ اس سے زیادہ اس کا جواب کیا دیا جا سکتا تھا۔ خود امریکی ماہرین اور میڈیا کا بھی خیال تھا کہ اوباما انتظامیہ کا مقصد ان کوششوں سے ہرگز یہ نہیں کہ وہ طالبان کو سیاست میں لانا چاہتے ہیں بلکہ دراصل یہ طالبان کو جانچنے اور پرکھنے کا عمل ہے۔ امریکا سمجھنا چاہتا کہ طالبان کے شرائط کیا ہیں، ان میں سے کون کون اور کس حد تک مذاکرات پر رضامندی دکھا سکتا ہے۔ امارت اسلامیہ نے ان کی ہر پیشکش کا انتہائی سنجیدگی سے ایک جواب دیا کہ ہم بھی افغانستان کے قضیے کا پر امن حل چاہتے ہیں۔ افغان عوام پر امریکا کی مسلط کردہ جنگ کا خاتمہ سب سے زیادہ ہماری خواہش ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ افغان عوام اور ان کی نمائندہ قوتوں کے ساتھ بیٹھ کر اپنے وطن کے مسائل کا حل ڈھونڈیں اور اپنے ملک کو ترقی کی راہ پر گامزن کریں مگر یہ سب اس وقت ممکن ہے جب امریکا یہاں نہیں ہوگا۔ امریکا کی موجودگی اور اس کے تسلط میں افغان عوام کبھی آزادانہ فیصلے نہیں کر پائیں

گے۔ ہم افغانستان پر مکمل قبضے یا اقتدار پر بلا شرکت غیرے حاکمیت کا خواب نہیں دیکھ رہے۔ ہم اپنے وطن کی آزادی چاہتے ہیں۔ امریکا افغانستان سے نکل جائے تو افغان عوام مل بیٹھ کر اپنے جھگڑے خود نمٹالیں گے۔

2012 میں امریکہ کی جانب سے طالبان کو سیاسی دفتر کے قیام کی دعوت دی، امریکا چاہتا تھا طالبان کا سیاسی ایڈریس مہیا ہو اور وہ آسانی اور بیجنل ذرائع سے مذاکرات کے لیے رابطہ کر سکے۔ اس دفتر کے لیے ترکی، متحدہ عرب امارات، جاپان اور قطر میں سے کسی ملک کو منتخب کرنے کی تجویز تھی۔ اس سلسلے میں گفت وشنید کا سلسلہ شروع ہوا۔ جنوری کے اوائل ہی میں امارت اسلامیہ نے دفتر قائم کرنے کی حمایت کر دی۔ حامد کرزئی نے بھی امریکا کی براہ راست مذاکرات کی کوششوں کی حمایت کر دی اور فروری میں یہ دعوی کیا کہ امریکا طالبان اور کابل انتظامیہ کے سہ فریقی مذاکرات ہوئے ہیں۔ ذبیح اللہ مجاہد نے کابل انتظامیہ کے ساتھ مذاکرات کی تردید کر دی۔ مجاہد صاحب کے اس بیان کی تصدیق پاکستان میں افغان سفیر عمر زاخیلوال نے بھی کی اور کہا کہ مذاکرات صرف امریکا طالبان کے ہو رہے ہیں۔ مارچ میں مذاکرات امارت اسلامیہ کی جانب سے بوبر گڈال (گرفتار شدہ امریکی فوجی) کے بدلے پانچ قیدیوں کی رہائی کے مطالبے پر ایک بار پھر رک گئے۔ اپریل کے اواخر میں امریکا، افغانستان اور پاکستان کی مشترکہ امن کانفرنس ہوئی جس میں طالبان کو ایک بار پھر مذاکرات کی دعوت دی گئی۔ 29 جون 2012 کو جاپان میں منعقدہ ایک کانفرنس میں امارت اسلامیہ کے نمائندے مولوی دین محمد حنیف نے اپنا مقالہ پیش کیا اور میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے آئندہ مذاکرات کی بحالی کی امید ظاہر کی۔

2013 میں مذاکرات میں بڑی پیش رفت جو ہوئی وہ امارت اسلامیہ کے سیاسی دفتر کا قیام تھا۔ 18 جون کو قطر دفتر کی افتتاحی تقریب کا انعقاد ہوا۔ وہائٹ ہاؤس کے اعلی افسر نے اعتراف کیا کہ امریکا براہ راست طالبان سے مذاکرات کرنے والا ہے۔ قطر دفتر کے افتتاح کے بعد امریکی مذاکرات کاروں کا وفد بھی قطر پہنچا۔ مذاکرات کے لیے 20 جون کی تاریخ بھی رکھی گئی یہ سلسلہ بھی آگے نہ بڑھ سکا۔ بظاہر اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ کابل انتظامیہ نے طالبان کے سیاسی دفتر کی تختی جس پر "دفتر سیاسی امارت اسلامی افغانستان" درج تھا اور اس میں لگے پرچم پر اعتراض کیا تھا۔ افغان انتظامیہ کا امریکی حکومت سے مطالبہ تھا کہ اس طرح طالبان افغان انتظامیہ کی متوازی حکومت تسلیم کیے جا رہے ہیں۔ مذاکرات کا پہلا موضوع امارت اسلامیہ کی جانب سے قیدیوں کا تبادلہ تھا، جس پر گذشتہ ایک سال سے مذاکرات موقوف تھے۔ امریکا کی جانب سے مذاکرات کے لیے وہی شرائط رکھی جاتی تھیں جس پر 2011 سے وہ مختلف صورتوں میں اصرار کرتا آرہا تھا۔ 1۔ شدت پسندی چھوڑ دیں۔ 2۔ القاعدہ سے تعلق ختم کر دیں۔ 3۔ افغانستان کے نئے آئین کو تسلیم کریں۔ بہر حال مذاکرات منسوخ ہو گئے۔ جس کے بعد جولائی کے پہلے عشرے میں امارت اسلامیہ نے قطر دفتر عارضی طور پر بند کرنے کا اعلان کر دیا۔

2014 کا سال دو وجہ سے اہم سال رہا۔ اس سال اقوام متحدہ کی سکیورٹی کونسل کے مینڈیٹ کے مطابق امریکا کی سربراہی میں افغانستان میں موجود بین الاقوامی افواج 2014 کے اختتام تک سکیورٹی کی تمام ذمہ داریاں افغان افواج کو سونپنے والی تھیں۔ لیکن کابل انتظامیہ اور امریکا کے درمیان 'سکیورٹی اور دفاع کے تعاون کا معاہدہ' طے پانے کی وجہ سے امریکا کو یہ اختیار ملا کہ وہ تقریباً 10,000 امریکی فوجی اگلے دس سال تک افغانستان میں رکھ سکتا ہے۔ اس معاہدے کا تقاضہ امریکا کی جانب سے حامد کرزئی سے بھی کیا جا رہا تھا مگر وہ اس پر آمادہ نہ ہوئے۔ 14 جون کو نام نہاد افغان انتخابات کا حتمی مرحلہ انجام پایا۔ ستمبر میں اشرف غنی کابل انتظامیہ کے نئے صدر بنے اور عبداللہ عبداللہ کی مسلسل تنقید اور دھمکیوں کے باعث ان کے لیے چیف ایگزیکٹو کا عہدہ تخلیق کر کے انہیں سونپ دیا گیا۔ نئی انتظامیہ نے اس معاہدے پر دستخط کر دیے۔ یہ افغانستان کی تاریخ کا ایک انتہائی ذلت آمیز معاہدہ تھا افغان عوام نے کبھی اسے قبول نہیں کیا۔ یہ افغان عوام کی غلامی پر مزید دس سال کے لیے مہر تصدیق ثبت کرنا تھا۔ یہ اس بات کا اعلان تھا کہ کفر اور صلیب کی غلامی پر ہم راضی ہیں۔

دوسرا اہم واقعہ 30 جون 2009 کو امارت اسلامیہ کے ہاتھوں قید ہونے والے امریکی سارجنٹ بو برگڈال کی رہائی کے بدلے امارت اسلامیہ کے پانچ اہم رہنماؤں کی گوانتانامو جیل سے رہائی تھی۔ جن میں ملا فاضل مظلوم، مولوی عبدالحق وثیق، ملا خیر اللہ خیر خواہ، ملا نور اللہ نوری اور مولوی محمد نبی محمدی شامل ہیں۔

یہ پانچوں شخصیات ابھی امارت اسلامیہ کی مذاکراتی ٹیم کے اہم ارکان ہیں جو قطر میں جاری مذاکرات میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ الحمدللہ

2015 میں 10 فروری کو ایک بار پھر کابل میں پاکستان، چین اور افغانستان کی مشترکہ کانفرنس ہوئی۔ اس کانفرنس کے بعد چین نے بھی افغان مسئلے میں دلچسپی لینی شروع کی۔ 19 فروری کو ایک بار پھر امریکی محکمہ خارجہ اور وہائٹ ہاوس کا ایک تردیدی بیان آیا کہ ہمارے طالبان سے کوئی براہ راست مذاکرات نہیں ہو رہے۔ تردید کے پیچھے کہانی یہ تھی کہ رویٹرز اور دیگر مغربی خبر رساں اداروں نے قطر میں موجود امارت اسلامیہ کے کسی رہنما کے بتانے پر خبر دی کہ امریکا اور امارت اسلامیہ کے براہ راست مذاکرات ہو رہے ہیں۔ جس سے کابل انتظامیہ بھی واقف تھی۔ امریکی محکمہ خارجہ نے کہا کہ طالبان سے ہمارے مذاکرات جنوری 2012 میں موقوف ہوگئے تھے اس کے بعد اب تک کوئی پیش رفت نہیں ہوئی۔ یکم مئی کو ایک بار پھر میڈیا نے بتایا کہ امارت اسلامیہ اور افغان انتظامیہ کے وفود قطر میں ملیں گے۔ امارت اسلامیہ نے کہا اسے ہر گز باقاعدہ مذاکرات قرار نہ دیا جائے۔ اسی لیے اس کا کوئی ایجنڈا نہیں رکھا گیا۔ یہ محض ایک ملاقات تھی جس کا مقصد افغان فریقوں کے درمیان تعلق کے لیے راہ ہموار کرنا تھا۔ 19 اور 20 مئی کو چین کے شہر ارمچی میں بھی امارت اسلامیہ اور کابل انتظامیہ کے نمائندوں کے درمیان ملاقاتیں رہیں۔ اسے بھی امارت اسلامیہ نے محض ایک ملاقات قرار دیا اور باقاعدہ مذاکرات کی تردید کردی۔ ایسی ایک اور ملاقات امارت اسلامیہ اور افغان حکومت کے درمیان 7 جولائی کو پاکستان کے شہر مری میں ہوئی جس میں چینی اور امریکی نمائندے بھی مبصر کی حیثیت سے شریک تھے۔ ملاقات کا اسی طرح کا ایک اور دور جولائی کے آخر میں ہونا تھا جو امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد رحمہ اللہ کے اعلان وفات اور تعزیتی مراسم کی وجہ سے منسوخ ہوگیا۔ 25 نومبر کو جناب شیر عباس ستانکزئی صاحب کو قطر آفس کا سربراہ بنایا گیا۔

2016 جنوری میں Quadrilateral Coordination Group یعنی چار فریقی تعاون گروپ کے نام سے امریکا، چین، پاکستان اور افغانستان کا باقاعدہ اتحاد تشکیل دیا گیا۔ جس کا مقصد امارت اسلامیہ اور کابل انتظامیہ کے درمیان مذاکرات کے لیے راہ ہموار کرنا تھا۔ میں امارت اسلامیہ کو ایک اور اندوہناک سانحہ پیش آیا۔ امیر المومنین ملا اختر محمد منصور شہید 23 مئی کو ڈرون حملے میں شہید ہوگئے۔ امیر المومنین ملا عمر مجاہد کی وفات کے بعد یہ دوسرا بڑا سانحہ تھا جس نے امارت اسلامیہ کو دکھ اور تکلیف پہنچائی۔ لیکن مجاہدین کے حوصلے کبھی پست نہیں ہوئے۔ جہاد اپنی پوری جوش و خروش سے جاری رہا۔ مذاکرات یا سیاسی وسفارتی ملاقاتوں کا عمل اس عرصے میں موقوف رہا۔

2017 میں ایک بار پھر کابل انتظامیہ نے "امن اور مذاکرات" کے نام پر امارت اسلامیہ کو مذاکرات پر آمادہ کرنے کے لیے کوششیں شروع کر دیں۔ اس کے لیے 6 جون کو "کابل امن عمل" کے نام سے پہلا اجلاس منعقد ہوا جس میں 23 ملکوں اور یورپی یونین، اقوام متحدہ اور نیٹو جیسی بین الاقوامی تنظیموں کے نمائندوں نے بھی شرکت کی۔ اجلاس میں افغانستان میں سکیورٹی اور سیاسی صورت حال بہتر بنانے لیے مختلف تجاویز اور اقدامات پر تبادلہ خیال کیا گیا۔ اشرف غنی کی دورخی سیاست کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ ایک جانب اس نے کابل امن عمل کے نام پر امارت اسلامیہ کو مذاکرات کی دعوت دی۔ دوسری جانب 8 اکتوبر کو یہ خبر بھی میڈیا پر آئی کہ اشرف غنی نے ایک ماہ قبل ستمبر میں اقوام متحدہ کے جنرل اسمبلی کے اجلاس کے موقع پر جب وہ امریکا میں موجود تھے انہوں نے امریکا اور قطری حکام کو درخواست دی کہ طالبان کا قطر دفتر بند کر دیا جائے۔ کیوں کہ اس دفتر سے وہ ایران، پاکستان، روس، چین اور خطے کے دیگر ممالک سے رابطے کر رہے ہیں۔ 16 اکتوبر کو ایک بار پھر کیو سی جی (Quadrilateral Coordination Group) کا اجلاس بلایا گیا تا کہ افغان حکومت اور امارت اسلامیہ کے درمیان مذاکرات کا سلسلہ پھر سے شروع کیا جاسکے، مگر امارت اسلامیہ نے اس میں شرکت سے انکار کر دیا۔ 7 دسمبر کو افغان ہائی پیس کونسل کی جانب سے امارت اسلامیہ کو مضحکہ خیز پیش کش کی گئی کہ کابل میں اپنا سیاسی دفتر قائم کریں۔ محترم ذبیح اللہ مجاہد صاحب نے جواب میں کہا کہ آدھے سے زیادہ افغانستان امارت اسلامیہ کے پاس ہے، ہمیں کابل میں دفتر کی کیا ضرورت ہے۔ سارا افغانستان ہمارا دفتر ہے۔

2018 میں 28 فروری کو "کابل امن پراسس" کی دوسری کانفرنس کا انعقاد

ہوا۔ جس میں اشرف غنی نے امارت اسلامیہ کو ایک بار پھر غیر مشروط طور پر مذاکرات کی دعوت دی۔ کابل انتظامیہ نے 4 جون کو امارت اسلامیہ کو مذاکرات بالفاظ دیگر ہتھیار ڈالنے پر آمادہ کرنے کے لیے کابل میں علماء کانفرنس کے نام سے کانفرنس منعقد کروایا۔ 7 جون کو ایک بار پھر اشرف غنی نے امارت اسلامیہ کو غیر مشروط طور پر مذاکرات کی دعوت دی اور یک طرفہ جنگ بندی کا اعلان کر دیا۔ 16 جولائی کو نیویارک ٹائمز کی رپورٹ میڈیا پر شائع جس میں پہلی بار یہ خبر دی تھی کہ امریکا امارت اسلامیہ سے براہ راست مذاکرات کرے گا۔ 2011 کے بعد یہ افغانستان کے حوالے سے امریکی پالیسی میں دوسری بڑی تبدیلی تھی۔ رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ امریکا کو یہ بات سمجھ آگئی کہ امارت اسلامیہ افغان انتظامیہ کو ایک بے اختیار کٹھ پتلی سمجھتی ہے۔ اس لیے ان کے ساتھ مذاکرات پر آمادہ نہیں ہوتی۔ 18 جون 2011 سے 16 جولائی 2018 تک کا سات سال ایک ماہ دو دن کا سارا دورانیہ امریکا نے اس کوشش میں ضائع کر دیا کہ وہ کسی طرح امارت اسلامیہ کو کابل انتظامیہ کے ساتھ مذاکرات پر آمادہ کر سکے۔ اور ان مذاکرات کے لیے جو شرائط پیش کی جارہی تھیں ان میں سر فہرست یہ تھا کہ جنگ چھوڑ کر ہتھیار ڈال دیں اور نئے آئین کو تسلیم کریں۔ اس لیے مذاکرات کا یہ سلسلہ کبھی آگے نہیں بڑھ سکا۔ اس بار پہلی مرتبہ امریکا نے درست جانب قدم اٹھایا۔ اگرچہ 17 جولائی کو امریکا نے اس خبر کی تردید کی مگر آئندہ کے حالات نے اس خبر کو درست ثابت کر دیا۔ 21 جولائی کو امریکی ٹی وی نے ایک خبر دی جس میں کہا گیا کہ ایک امریکی وفد نے قطر میں خفیہ طور پر امارت اسلامیہ کے رہنماؤں سے ملاقات کی۔ 28 جولائی کو اس مذاکرات کی تصدیق کی خبر بھی میڈیا پر شائع ہوئی۔ خبر میں ملاقات کی زیادہ تفصیل نہیں بتائی گئی، اتنا کہا گیا کہ اس ملاقات میں زیادہ گفتگو مستقبل میں امریکا طالبان براہ راست مذاکرات کو جاری رکھنے پر ہوئی۔ اس ملاقات میں امریکی وفد کی سربراہی محکمہ خارجہ کے ڈپٹی اسسٹنٹ سیکرٹری ایلس ویلز کر رہے تھے۔ ایلس ویلز سے قبل امریکی فوج کے ایک ریٹائرڈ کرنل اور پینٹاگون کے سابق مشیر کرسٹوفر کولینڈا اور امریکی سفیر رابن رافیل نے امارت اسلامیہ کے رہنماؤں سے ملاقات کی اور اس ملاقات کے لیے راہ ہموار کی۔ اس ملاقات میں امریکا کی جانب سے بگرام اور شوراب کے دو اڈے امریکا کے پاس رکھنے اور ان اڈوں میں امریکی فوج کی تعیناتی کا مطالبہ سامنے رہا جبکہ امارت اسلامیہ کی جانب سے قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ رکھا گیا۔ 5 ستمبر کو امریکی وزیر خارجہ مائیک پومپیو نے زلمی خلیل زاد کو امریکی مذاکراتی وفد کا سربراہ اور اپنا نمائندہ مقرر کر دیا۔ 4 اکتوبر کو زلمی خلیل زاد نے اپنی نئی ذمہ داری کے سلسلے میں پہلے غیر ملکی دورے کا آغاز کیا اور مذاکرات کے سلسلے میں پانچ سٹیک ہولڈرز ممالک فغانستان، پاکستان، متحدہ عرب امارات، قطر اور سعودی عرب کے دورے پر روانہ ہوئے۔

باقاعدہ مذاکرات کا آغاز

مذاکرات کا پہلا دور: پانچ ملکی دورے کے اختتام پر 12 اکتوبر کو انہوں نے امارت اسلامیہ کے وفد سے قطر میں ملاقات کی۔ امارت اسلامیہ کے وفد میں مولوی عبدالسلام حنفی، شیخ شہاب الدین دلاور، قاری دین محمد، زاہد احمد زئی اور محمد سہیل شاہین شامل تھے جن کی سربراہی مولوی شیر عباس ستانگزئی کر رہے تھے۔ اس ملاقات کو امریکا طالبان براہ راست باضابطہ ملاقات کا پہلا دور کہا جاتا ہے۔

25 اکتوبر کو محترم ملا برادر کو جیل سے رہائی ملی۔ 9 نومبر کو روس کی جانب سے کثیر فریقی افغان امن کانفرنس کا اہتمام ہوا جس میں امارت اسلامیہ کے وفد نے بھی شرکت کی۔ اس اجلاس میں کابل انتظامیہ کے وفد نے بھی شرکت کی مگر امارت اسلامیہ نے انہیں سرکاری حیثیت میں تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ اسی روز خلیل زاد پاکستان، افغانستان، متحدہ عرب امارات اور قطر کے دورے پر روانہ ہوئے۔

مذاکرات کا دوسرا دور: اس دورے کے اختتام پر ایک بار پھر خلیل زاد کی ملاقات امارت اسلامیہ کے وفد سے ہوئی جو کہ تین دن تک جاری رہی۔ اس ملاقات کو میڈیا نے مذاکرات کے دوسرے راونڈ کا نام دیا ہے۔

مذاکرات کا تیسرا دور: 17 دسمبر کو امارت اسلامیہ کے وفد اور خلیل زاد کی تیسری ملاقات دبئی میں ہوئی جو تین دن جاری رہی۔ اس میں متحدہ عرب امارات، سعودی عرب، پاکستان اور افغانستان کے وفود نے بھی شرکت کی۔ اس ملاقات میں امریکا کی جانب سے امارت اسلامیہ کے سامنے مذاکرات کے لیے جو نکات رکھے گئے ان میں جنگ بندی کرنے، عبوری حکومت میں حصہ دار بننے، افغانستان کی سرزمین

دہشت گردی کے لیے استعمال نہ ہونے کی یقین دہانی، افغانستان کے آئندہ سیاسی نظام کے متعلق فیصلہ کرنے اور افغان حکومت سے براہ مذاکرات کرنے کی یقین دہانی رکھی گئی۔

26 دسمبر کو ایرانی وفد نے دورہ کابل کے موقع پر دعوی کیا کہ ان کی ملاقات افغان طالبان سے ہو چکی ہے۔ اس کی مزید تفصیلات 31 دسمبر کو خبروں میں سامنے آئیں کہ طالبان وفد نے ایران کا دورہ کیا اور تہران میں ایرانی حکام سے ملاقاتیں کیں۔ 31 دسمبر کو میڈیا خبروں کے مطابق آئندہ ماہ سعودی عرب میں امریکا طالبان مذاکرات کا چوتھا راونڈ ہونے والا تھا جس میں طالبان نے افغان وفد سے ملاقات کا انکار کر دیا۔ البتہ یہ کہا کہ سعودی عرب میں امریکی وفد سے ملاقات کی جاسکتی ہے۔

2019 کے آغاز میں 7 جنوری کو امارت اسلامیہ نے سعودی عرب میں مذاکرات کے چوتھے راونڈ کا انکار کر دیا۔ کیوں کہ سعودیہ اور متحدہ عرب امارات کا اصرار تھا کہ اس میں افغان حکومت ضرور شریک ہو۔ امارت اسلامیہ نے کہا کہ اب مزید مذاکرات قطر میں ہوں گے جہاں امارت اسلامیہ کا دفتر موجود ہے۔ 8 جنوری کو قطر میں منعقد ہونے والی راونڈ بھی منسوخ ہوگئی کیوں کہ امریکا اور طالبان کا ایجنڈے پر اتفاق نہیں ہو سکا۔

مذاکرات کا چوتھا دور: 22 جنوری کو امارت اسلامیہ اور امریکا کے مذاکرات کا چوتھا دور دوحہ میں شروع ہوا جو چھ دن تک جاری رہا۔ اس ملاقات سے قبل امارت اسلامیہ کی جانب سے یہ شرط رکھی گئی تھی کہ تمام غیر ملکی فوجوں کا انخلاء ایجنڈے میں ہونا چاہیے۔ ملاقات میں غیر ملکی افواج کی مکمل اور پر امن انخلا پر دونوں فریق کا اتفاق رائے ہوا۔ زلمی خلیل زاد نے کہا کہ دہشت گردی کے خاتمے اور افواج کے انخلاء پر اطمینان بخش گفتگو ہوئی ہے۔

26 جنوری کو امارت اسلامیہ کے نائب امیر محترم ملا عبدالغنی برادر قطر سیاسی دفتر کے سربراہ مقرر کیے گئے۔

1 فروری کو امریکی صدر ٹرمپ نے بھی اعلان کیا کہ امن معاہدے کے بعد اپنی فوج واپس بلالیں گے۔ 6 فروری کو روس کی جانب سے ماسکو میں بین الافغانی کانفرنس کا انعقاد کیا گیا۔ جس میں امارت اسلامیہ اور افغان سیاسی رہنماوں کے درمیان ملاقات اور خیالات کا تبادلہ ہوا۔ 13 فروری کو امارت اسلامیہ نے امریکا سے براہ راست مذاکرات کے لیے ایک نئی 14 رکنی ٹیم کا تعین اور اس کے لیے ارکان کے ناموں کا اعلان کیا۔ 17 فروری کو پاکستان میں امریکا اور امارت اسلامیہ کے نمائندوں کی ملاقات کا اعلان کیا گیا تھا مگر وہ منسوخ ہوگیا۔ اس کی وجہ امارت اسلامیہ نے واضح کی کہ امریکا خود یہ ملاقات کرنا نہیں چاہتا تھا۔ کیوں کہ امارت اسلامیہ کو پاکستان کے دورے کے لیے اقوام متحدہ سے سفر کی اجازت درکار تھی۔ امارت اسلامیہ کے رہنماوں پر امریکا کی جانب سے سفری پابندیاں عائد تھیں۔ امارت اسلامیہ نے بار بار اطلاع دی کہ امریکا ہمارے نام بلیک لسٹ سے نکلوادے تاکہ ہم پاکستان کا دورہ کر سکیں مگر امریکا نے یہ سب کچھ نہیں مانا۔ امارت اسلامیہ نے مطالبہ کیا کہ ان پر سے پابندیاں ہٹادی جائیں اور ان کے دفتر کو سرکاری طور پر تسلیم کیا جائے۔

مذاکرات کا پانچوں دور: 25 فروری کو زلمی خلیل زاد کی محترم ملا عبدالغنی برادر سے پہلی ملاقات ہوئی اور مذاکرات کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا جو 16 دن تک جاری رہا۔ طالبان کے ترجمان سہیل شاہین نے کہا کہ اس میں دو اہم مسائل زیر بحث رہے۔ ہمارے لیے افغانستان سے تمام غیر ملکی فورسز کی واپسی ایک اہم مسئلہ ہے۔ اور امریکی جانب سے ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ افغانستان کی سرزمین کو امریکیوں اور اس کے اتحادیوں کے خلاف استعمال نہیں کیا جانا چاہیے۔

13 مارچ کو مذاکرات کے اختتام پر اپنی ٹویٹس میں خلیل زاد نے کہا ہے کہ "امن کے لیے چار معاملوں پر سمجھوتا لازم ہے: دہشت گردی کے معاملے پر یقین دہانی، فوجوں کا انخلا، بین الافغان مکالمہ اور مربوط جنگ بندی"۔ ایک اور ٹویٹ میں خلیل زاد نے کہا کہ جنوری کی بات چیت میں ہم "اصولی طور پر" چار معاملوں پر رضامند ہوئے تھے۔ اب ہم پہلے دو معاملوں پر "مسودہ کی حد تک متفق ہوئے ہیں"۔

26 مارچ کو ایک بار پھر زلمی خلیل زاد افغانستان، برطانیہ، بیلجیم، پاکستان، ازبکستان، اردن اور قطر کے دورے پر روانہ ہوگئے۔ 10 اپریل کو واپسی کے بعد وہ

ایک بار پھر 21 اپریل سے 11 مئی تک افغانستان، بھارت، پاکستان، قطر، روس اور برطانیہ کے دورے پر نکل گئے۔

مذاکرات کا چھٹا دور: 1 مئی سے دوحہ میں شروع ہو کر 9 دن تک جاری رہا۔ اس میں گذشتہ ملاقاتوں کے زیر تکمیل نکات پر حتمی گفتگو کی گئی۔

اس دوران کابل میں لویہ جرگہ کے نام پر اشرف غنی نے ایک بار پھر لوگوں کو جمع کیا تاکہ امارت اسلامیہ کے ساتھ مذاکرات کا طریقہ کار طے کریں اور امارت پر دباؤ ڈالیں کہ وہ ان سے مذاکرات کے لیے راضی ہوں۔ 23 مئی کو زلمی خلیل زاد امریکی کانگریس کے کمیٹی برائے امن عمل میں پیش ہوئے۔ کانگریس کمیٹی نے انہیں مذاکرات میں تین نکات پر زیادہ توجہ دینے کی ہدایت کی۔ 1۔ خواتین، اقلیت اور بچوں سمیت تمام افغان طبقات کے حقوق کا تحفظ۔ 2۔ افغان حکومت سے مذاکرات۔ 3۔ طالبان کا مذاکرات میں خلوص نیت جانچنا۔ بند کمرہ اجلاس کے بعد کمیٹی سربراہ نے زلمی خلیل زاد کی کوششوں کو سراہا اور کہا کہ وہ درست سمت جا رہے ہیں۔ 28 مئی کو روس اور افغانستان کے سفارتی تعلق کی سویں سالگرہ پر ماسکو میں کانفرنس منعقد کی گئی جس میں افغان سیاسی رہنماؤں اور امارت اسلامیہ کے وفد نے شرکت کی۔ امارت اسلامیہ کے وفد کی سربراہی ملا عبدالغنی برادر نے خود کی۔ 17 جون کو امارت اسلامیہ کے وفد نے چین کا دورہ کیا، وفد کی سربراہی ملا عبدالغنی برادر نے کی۔

مذاکرات کا ساتواں دور: 30 جون کو مذاکرات کا نیا دور شروع ہوا جو چند دن تک جاری رہا۔ اس میں بھی فریقین کے درمیان سابقہ موضوعات پر گفتگو اور پیش رفت ہوئی۔

مذاکرات کا آٹھواں دور: 3 اگست کو مذاکرات کا آٹھواں دور شروع ہوا۔ جو دس دن تک جاری رہا۔ یہ مذاکرات کا آخری دور تھا جس کے بعد معاہدہ طے پانے کی توقع تھی۔ مگر یہاں آکر بات جنگ بندی پر اٹک گئی۔ امریکا کا مطالبہ ہے کہ طالبان مکمل جنگ بندی کا اعلان کردیں جبکہ طالبان معاہدے کے بعد مشروط اور محدود جنگ بندی کے ذریعے بیرونی افواج کو راستہ دینے کی بات کرتے ہیں۔ یہ معاہدہ اگر طے ہو جاتا تو امارت اسلامیہ جنگ بندی کا اعلان اور بین الافغانی مذاکرات میں حصہ لینے کی پابند ہوتی اور امریکا افغانستان سے اپنی ساری فوج باہر نکال لینے کا پابند ہوتا۔ تاہم مزید مشاورت جاری رکھنے پر اتفاق کیا گیا۔

20 اگست کو زلمی خلیل زاد ایک بار پھر دوحہ کی جانب روانہ ہوا تاکہ مذاکرات آگے بڑھائے جا سکیں۔

مذاکرات کا نواں دور: 23 اگست کو مذاکرات کا اہم ترین دور شروع ہوا جس میں امریکی فوج کے انخلاء کی تفصیلات اور طالبان کی جانب سے افغان سرزمین امریکا کے خلاف استعمال نہ ہونے کی یقین دہانی شامل تھی۔ 31 اگست کو یہ دور ختم ہوا۔ مذاکرات کے اس دور میں امریکی انخلاء کی تمام تر تفصیلات پوری باریکی سے طے ہوئیں۔ خلیل زاد نے 31 اگست کو اپنی ٹویٹ میں کہا کہ ہم معاہدے کے قریب پہنچ چکے ہیں۔ معاہدے کے بعد امریکی فوج کا انخلاء ہونا تھا اور بین الافغانی مذاکرات کے لیے تاریخ کا تعین کر کے مذاکرات کا آغاز کرنا تھا۔ اس سے قبل امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے بھی کہا کہ طالبان کے ساتھ امن معاہدے کے قریب پہنچ چکے ہیں۔ وزیر خارجہ مائک پومپیو نے بھی اس پر اطمینان کا اظہار کیا۔

2 ستمبر کو خلیل زاد نے افغانستان میں طلوع نیوز کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ امریکہ اور طالبان کے درمیان امن سمجھوتے کا مسودہ تیار کر لیا گیا ہے جس کے مطابق فریقین کے دستخط کرنے کے بعد 135 دن کے اندر امریکی فوجی افغانستان میں پانچ فوجی اڈے خالی کردیں گے۔

انہوں نے کہا کہ مذکورہ پانچ فوجی اڈوں سے 5,000 امریکی فوجی واپس بلا لیے جائیں گے۔ اس وقت افغانستان میں لگ بھگ سات فوجی اڈوں میں 14,000 امریکی فوجی تعینات ہیں۔ زلمے خلیل زاد نے اس بیان سے پہلے افغانستان کے صدر اشرف غنی اور چیف ایگزیکٹو عبداللہ عبداللہ سے ملاقات کر کے اُنہیں مسودے کے کلیدی نکات سے آگاہ کیا تھا۔ تاہم اطلاعات کے مطابق انہوں نے مسودے کی کاپی اُن کے حوالے نہیں کی تھی۔

5 ستمبر کو کابل کے علاقے ششدرک میں کار فدائی حملہ ہوا جس کی ذمہ داری

امارت اسلامیہ نے قبول کی۔ اس حملے میں 10 ملکی فوجی اور 2 غیر ملکی فوجی ہلاک ہوئے جن میں سے ایک کا تعلق رومانیہ اور دوسرے کا تعلق امریکا سے تھا۔

8 ستمبر کو امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے مذکورہ بالا فوجی کی ہلاکت پر مذاکرات معطل کر دیے۔ 14 ستمبر کو امارت اسلامیہ کے وفد نے روس کا دورہ کیا۔ جس کا مقصد امریکا کی جانب سے مذاکرات کی معطلی کے حوالے سے عالمی سٹیک ہولڈرز کو آگاہ کرنا اور اعتماد میں لینا تھا۔ اسی سلسلے میں 23 ستمبر کو امارت کے وفد نے چین کا دورہ کیا۔ چین کے دورے سے قبل یہ وفد ایران کا دورہ بھی کر چکا تھا۔

28 ستمبر کو افغانستان میں نام نہاد صدارتی الیکشن کا انعقاد ہوا جو انتہائی بری طرح سے ناکامی کا شکار ہوا۔ 2 اکتوبر کو امارت اسلامیہ کے وفد نے خطے کے ممالک کے دوروں کے تسلسل میں پاکستان کا دورہ کیا جہاں زلمی خلیل زاد سے بھی ملاقات ہوئی۔ 22 اکتوبر کو خلیل زاد امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ یورپی یونین، نیٹو اور اقوام متحدہ کے عہدیداروں سے ملاقات کے لیے دورے پر نکل پڑے۔ اس دورے کا مقصد امن مذاکرات کی دوبارہ بحالی کے لیے کوششیں تیز کرنا تھا۔ 19 نومبر کو دو پروفیسرز کی رہائی کے بدلے امارت اسلامیہ کے تین قیدیوں کی رہائی عمل میں آئی جن میں انس حقانی شامل تھے۔ 27 نومبر کو ایک بار پھر امارت اسلامیہ کے وفد نے ایران کا دورہ کیا اور ایرانی وزیر خارجہ جواد ظریف سے ملاقات کی۔ 30 نومبر کو صدر ٹرمپ نے خفیہ طور پر بگرام کا دورہ کیا۔ اس دورے میں انہوں نے امارت اسلامیہ سے دوبارہ مذاکرات بحال کرنے کا عندیہ ظاہر کیا۔

مذاکرات کا دسواں دور: انس حقانی کی رہائی اور ٹرمپ کے بیانات سے برف پگھلنے لگی اور ایک بار پھر مذاکرات کا سلسلہ شروع ہونے لگا۔ 7 دسمبر کو مذاکرات ایک بار پھر شروع ہوئے جو 13 دسمبر تک جاری رہے۔ 13 دسمبر کو بگرام ایئر بیس پر ہونے والے حملے کی وجہ سے خلیل زاد نے مذاکرات چند دن کے لیے موقوف کرنے کا اعلان کر دیا۔ مذاکرات کے اس دور میں زیر بحث موضوع جنگ بندی یا تشدد میں کمی اور بین الافغانی مذاکرات کی بحالی رہا۔

مذاکرات کا گیارہواں دور: 15 جنوری 2010 کو امارت اسلامیہ کے نمائندوں اور زلمے خلیل زاد کے درمیان مذاکرات اور ملاقاتوں کا نیا سلسلہ شروع ہوا۔ جو چند دن تک جاری رہا۔ اس ملاقات میں امن معاہدے کے انعقاد کے حوالے حتمی باتیں طے ہوئیں۔ امریکا نے امارت اسلامیہ کی جانب سے تشدد میں کمی کا لفظ تو قبول کر لیا مگر اس کی تشریح پر ایک بار پھر تنازع کھڑا ہو گیا ہے۔

قارئین کرام! آگے کی صورتحال دیکھتے جایئے۔ فی الحال اتنا عرض ہے کہ مندرجہ بالا رپورٹ میں آپ نے تفصیل سے جائزہ لے لیا ہے کہ امریکا طالبان مذاکرات کس دور میں کس کروٹ پر رہے۔ اس پورے دورانیے کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ پہلا حصہ دو ہزار گیارہ سے دو ہزار اٹھارہ کے اواخر تک کا ہے جس میں امریکا کی کوشش تھی کہ امارت اسلامیہ کے کابل انتظامیہ سے مذاکرات کروائے اور دونوں کو مقابل فریق بنا کر خود ثالث بن جائے۔ اس پر طرح طرح کی ملاقاتیں ہوئیں۔ سیمینارز ہوئے۔ کانفرنسیں ہوئیں مگر امارت اسلامیہ ہمیشہ اپنے اس موقف پر ثابت قدم رہی کہ یہ بااختیار اور ہمارا اصل دشمن فریق نہیں ہے۔ ہمارا مقابلہ امریکا سے ہے امریکا کے زر خرید غلاموں سے نہیں۔ اس پر ہمیشہ امارت اسلامیہ پر یہ الزام لگایا کہ وہ امن نہیں چاہتے اور مذاکرات سے بھاگتے ہیں۔ مگر مذاکرات کا اصل دور شروع ہوا یعنی امریکا نے براہ راست مذاکرات شروع کیے تو امارت اسلامیہ نے بھی اپنی پوری دلچسپی اور تعاون کا اظہار کیا ہے۔ ماضی میں امریکا کا موقف تھا کہ ہاں ہم افغان حکومت سے مذاکرات کریں گے مگر اس وقت جب امریکی فوج یہاں موجود نہیں ہو گی۔ امریکا افغانستان سے اپنی جارحیت کے سائے ہٹا دے ہم افغان شہریوں سے مذاکرات کے لیے تیار ہیں۔ اور جب امریکا نے براہ راست مذاکرات شروع کیے تو امارت اسلامیہ نے کہا کہ ہمارا حریف امریکا ہے کابل انتظامیہ نہیں اس لیے فی الحال مذاکرات امریکا سے ہوں گے اس کے کٹھ پتلی سے ہر گز نہیں۔ امارت اسلامیہ نے کبھی مذاکرات اور پرامن حل کا انکار نہیں کیا مگر ہمیشہ سے ہر چیز الگ الگ واضح کر کے رکھا۔ کابل انتظامیہ، افغان سیاسی تنظیمیں اور شخصیات اور امریکا کو الگ الگ پہچانا۔

جان بس کی معنی خیز مسکراہٹ

حبیب مجاہد

میرا ارادہ تھا کہ گزشتہ سال کے واقعات کے سلسلے میں جنگی جرائم کے دل خراش حالات قلم بند کروں۔ گزشتہ سال الم ناک واقعات سے بھرا ہوا تھا۔ کوئی ایسی رات نہیں گزری، جس میں غریب افغانوں کے بہت سے مکانات تباہ نہیں ہوئے، دیہاتوں پر ظلم و ستم کا حشر برپا نہیں ہوا، چند نوجوان فوج کی جانب سے نشانہ نہ بنے ہوں اور خواتین کے زیورات نہ لوٹے گئے ہوں۔ ان تمام واقعات کو لکھنا ایک منظم تحقیقاتی ٹیم کا کام ہے۔ البتہ میں کوشش کر رہا ہوں کہ میڈیا کے توسط سے منظر عام پر آنے والے واقعات اور تفصیلات کے مطابق مختصر رپورٹ تیار کر کے قارئین کی خدمت میں پیش کروں۔

میں گزشتہ سال افغان عوام پر امریکی مظالم کے دل خراش واقعات جمع کرنے کے لیے پریشان تھا۔ اچانک انٹرنیٹ میں ایک خبر اور تصویر سامنے آئی، جس میں اشرف غنی افغانستان میں موجود امریکی سفیر جان بس کو قومی اعزاز 'نشانِ وزیر اکبر خان' دیا۔ اس خبر اور تصویر نے مجھے ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ جب میں نے تصویر کو غور سے دیکھا تو اس کا منظر کچھ یوں تھا کہ اشرف غنی نے گردن جھکائی ہوئی تھی اور وہ اسی جھکی گردن کے ساتھ اکڑی ہوئی گردن والے امریکی سفیر کو میڈل دے رہے تھے۔ ان کے چہرے پر ذلت اور غلامی کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ جب کہ امریکی سفیر جان بس نے اپنے ہونٹوں کو بھینچ رکھا تھا، جیسے وہ زیر لب قہقہہ چھپانے کی کوشش کر رہے ہوں۔

اس تقریب میں وہاں موجود اعلیٰ حکام اور مغرب نواز سیکولرز اپنی نشستوں پر براجمان تھے۔ جب کہ ان کے پیچھے خواتین اور ان کے بعد ضیاء الحق امرخیل اور اسد اللہ غضنفر جیسے غدار بھی اپنی جگہوں پر بیٹھے تھے۔ ایک تصویر میں اسد اللہ غضنفر تمغے پر لکھے ہوئے فرمان پڑھ رہے تھے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ شاید جان بس نے اس پر مسکرا رہے ہوں۔ کیوں کہ غضنفر اور درباری فرمان کے احکامات پڑھنے میں دور دور کا واسطہ نہیں ہے۔ ان کے دادا اپسر لی صاحب اپنی زندگی میں سیاست اور سیاسی درباریوں سے بہت نفرت کرتے تھے۔ انہیں پتہ نہیں تھا کہ ان کا جانشین ایک دن بدنام زمانہ عدالت کا ڈکٹیٹر ہوگا۔ تاریخ کی یہ ناقابل فراموش حقیقت بلاشبہ حیرت انگیز ہے۔

میں جان بس کی معنی خیز مسکراہٹ بارے سوچ رہا تھا۔ اس دوران گزشتہ سال کی ایک رپورٹ میرے سامنے آئی، جس میں جان بس کے فوجیوں اور ان کے وحشی شکاریوں 'اسپیشل فورسز، زیرو ون، زیرو ٹو اور دوسرے چھاپہ ماروں نے ظلم و سربریت کی داستان کا پردہ فاش کیا گیا ہے۔ گزشتہ سال باقاعدگی سے ظلم و سربریت اور جان بوجھ کر قتل عام کا ایک غیر معمولی سال تھا۔ گزشتہ سال کی تاریک راتوں میں ہمارے غریب لوگوں پر جو مظالم ڈھائے گئے، وہ ہماری تاریخ کا سیاہ باب ہیں۔ غم و درد کی اس داستان میں مظلوم عوام، بوڑھوں، نوجوانوں اور معصوم بچوں کا جو حشر کیا گیا، یہ تو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

اس رپورٹ میں گزشتہ سال کے دوران دشمن کی جانب سے مظلوم عوام پر ڈھائے جانے والے مظالم کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اعداد و شمار کے مطابق گزشتہ سال امریکی اور افغان فورسز کی جانب سے 8707 افغان شہری شہید اور زخمی ہوئے تھے۔ وحشیانہ قتل و غارت گری کے علاوہ دشمن کے چھاپوں میں 102 مساجد کو بموں یا فضائی حملوں میں نشانہ بنایا گیا۔ 14 مساجد کے دروازے دھماکہ خیز مواد سے اڑا دیے گئے۔ 18 اسکولز 20 ہسپتال اور کلینک، 1650 عام شہری مکانات اور 11 دینی مدارس تباہ کیے گئے۔ اس کے علاوہ 627 مکانات اور دکانوں کے دروازے توڑ دیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ امریکی اور افغان فورسز نے ظالمانہ کارروائیوں میں 2 ہوٹل، 281 چھوٹے اور بڑے اسٹورز 1719 دکانوں، 1102 موٹر سائیکلوں کو آگ لگادی۔ جب کہ سیکڑوں جانوروں، 260 سولر سسٹم اور شہریوں کے گھروں سے کروڑوں روپے لوٹ لیے۔ اسی طرح نیویارک اور واشنگٹن کے چوکیداروں نے مظلوم عوام کے 42 باغات جلادیے۔

رپورٹ میں دشمن کی جانب سے عوام پر ڈھائے گئے مظالم کے مذکورہ اعداد و شمار کے پیش منظر میں جان بس کی معنی خیز مسکراہٹ افغان حکومت کی بے بسی کا مذاق اڑا رہی تھی۔ جان بس کو اشرف غنی نے افغانستان کے حکمران کی حیثیت سے قومی اعزاز کا نشان دے کر سرفراز کیا۔ اس وقت ان کے دل میں یہ خیال آیا ہوگا کہ ہمارے فوجیوں کی ظالمانہ کارروائیوں کے نتیجے میں ہزاروں نہتے شہری جان سے گئے اور اب ہمارے غلام اشرف غنی ہمیں ان مظالم کے نتیجے میں تمغہ دے کر اپنے ضمیر کا سودا کر رہے ہیں۔ ہم نے سیکڑوں مساجد اور مدارس کو مسمار کر دیا۔ افغان قوم پر ہر طرح کے ظلم کا تجربہ کیا اور آپ ہمیں مبارک باد اور تمغے دے رہے ہیں۔

امریکی عوام اور حکومتی جارحانہ پالیسی

موسیٰ فرہاد

امریکی وزارت خارجہ کے دو اعلیٰ حکام جنرل قاسم سلیمانی کی ہلاکت سے متعلق واشنگٹن میں صحافیوں کو بریفنگ دے رہے تھے۔ انہوں نے صحافیوں کے تند و تیز سوالات کا سامنا کیا۔ ہر سوال مناظرے کی شکل اختیار کر رہا تھا۔ صاف ظاہر ہے یہ محض صحافیانہ سوالات نہیں تھے۔ اس میں وہ بے چینی جھلک رہی تھی، جو امریکی پالیسیوں کی وجہ سے امریکا کے تمام شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والوں میں پائی جاتی ہے۔ اس سے پہلے کہ اس بریفنگ اور اس میں کیے گئے سوال وجواب کا تجزیہ کیا جائے، متعلقہ موضوع کو ایک اور زاویے سے دیکھنے کی کوشش کریں گے۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ امریکا اور دیگر مغربی ممالک کی استعماری پالیسیوں پر وہاں کے عوام کلی طور پر متفق ہیں یا نہیں؟ مغربی ممالک تو ہمیشہ یہ باور کراتے رہے ہیں کہ ہماری جدوجہد جمہوریت، انسانی حقوق اور آزادی کے لیے ہے۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ مخصوص اوقات اور حالات میں ان کے عوام نے ان کے اہل کاروں کی انہی پالیسیوں کی حمایت کی ہوگی، لیکن ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا۔

مثلاً 11 ستمبر کے واقعے سے قبل افغانستان پر حملے سے پہلے امریکی حکام نے کہا تھا کہ ہم اپنے عوام کے کہنے پر یہ اقدام کرنے جا رہے ہیں۔ اس وقت بڑے دھوم دھام سے کہا گیا تھا کہ ساٹھ سے ستر فیصد تک امریکی اس حملے کے حق میں ہیں۔ اس اکثریت کے مطالبے پر امریکا افغانستان پر حملہ کر رہا ہے۔ جب افغانستان میں امریکا کو مسائل کا سامنا کرنا پڑا تو امریکی عوام نے پُرزور طریقے سے حکام پر دباؤ ڈالا کہ افغانستان سے انخلا کیا جائے۔

2010 سے آزاد سروے کے مطابق امریکی عوام جنگی پالیسیوں کے سخت مخالف ہیں۔ 2019 میں ' Pew research organization' نامی ادارے کے مطابق امریکا کے 59 فیصد عوام چاہتے ہیں کہ افغانستان سے فوج واپس بلائی جائے۔ اسی طرح دیگر مغربی ممالک میں بھی عوامی احتجاجوں کا سلسلہ شروع ہے۔ اس صورت حال کا نہ تو نیٹو اور نہ ہی امریکی حکام نے نوٹس لیا ہے کہ جس جنگ کو عوام کی اکثریت کے کہنے پر شروع کیا تھا، اب عوام کی اکثریت کے کہنے پر ختم بھی کیا جائے۔ اس سب کے باوجود وہ استعماری سوچ کے مطابق توسیع پسندانہ عزائم اور جارحانہ سیاست کی ضرورت کے طور پر ایسا ہرگز نہیں کریں گے۔ اگر 2001 میں مختلف سروے قابل احترام تھے تو 2019 میں کیوں قابل احترام نہیں ہیں۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ امریکا کی جارحانہ پالیسیوں کو عوامی اکثریت کے بجائے اقلیت کی حمایت حاصل ہے۔

کیا علماء بھی غیر جانبدار ہوتے ہیں؟

ابو احسان عامر

استعماری قوتیں مقبوضہ ممالک میں عسکری جنگ کے ساتھ فکری جنگ پر بھی خصوصی توجہ دیتی ہیں۔ طاغوت کا لشکر اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ وہ اپنی جان پر کھیل کر جن لوگوں پر اپنی حاکمیت قائم کرتا ہے، اس میں اس کا وقت اور پیسہ زیادہ خرچ ہوتا ہے۔ البتہ وہ جہاں عسکری جنگ کے بجائے فکری جنگ پر توجہ دیتا ہے، وہاں اُس کی کامیابی کے زیادہ امکان رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے افغانستان میں بھی مغربی چھتری کے سائے میں سیکڑوں کرائے کی میڈیا کمپنیاں دن رات مغرب کی امنگوں کے مطابق لوگوں کی ذہن سازی کر رہی ہیں۔ مغرب نے افغان عوام کو فکری طور پر غلام اور انہیں اسلام اور اسلامی اقدار سے متنفر کرنے کے لیے میڈیا کے علاقہ کچھ علمائے سوء کی بھی ڈیوٹی لگائی ہے کہ وہ ان جارحیت پسندوں کو ملک کا خیر خواہ اور ان کے خلاف ہتھیار اٹھانے والوں کو غدار اور ملک دشمن باور کرائیں۔ آئے روز اس شیطانی اور دجالی گروہ کی مدد سے ایمانی لشکر کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کی جاتی ہیں۔

یہ نام نہاد علماء اپنی شیطانی مہارت کی وجہ سے شرعی نصوص میں تحریف کی کوشش کرتے ہوئے کفار کے خلاف جہاد کی شرعی حیثیت کو داغ دار کرتے ہیں۔ جارحیت کے آغاز سے اب تک بار بار اس درباری طبقے نے مختلف راستوں اور خفیہ طریقوں سے ہماری مقدس جدوجہد کو ہدف بنایا ہے۔ الحمدللہ! ہر بار انہیں ذلت اور رسوائی کے علاوہ کچھ ہاتھ نہیں آیا۔ دولت اور منصب کا یہ پجاری گروہ ایک مرتبہ پھر علماء کے لباس میں ہے۔ اس مرتبہ یہ گروہ کندھوں پر نیلی چادر ڈالے NDS کے نمائندوں کے طور پر سامنے آیا ہے۔ اس مرتبہ وہ غیر جانب دار علماء کے نام سے 'امن' کا نعرہ لگاتے ہوئے نکلا ہے۔ اس کا ہدف عوام کو مجاہدین سے بدظن کر کے غیر ملکی جارحیت کو جواز فراہم کرنا ہے۔ اس نے اس مقصد کے لیے افغانستان کے مختلف علاقوں کا سفر شروع کیا ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا علماء بھی غیر جانب دار ہو سکتے ہیں؟ علماء اس جنگ سے کیسے غیر جانب داری کا اعلان کر سکتے ہیں، جس کو امریکی صدر بش نے صلیبی جنگ قرار دیا تھا۔ علماء اپنے علم اور ایمانی فریضے کی وجہ سے اس بات کے پابند ہیں کہ کفر و اسلام کا تو درکنار، انہیں تو عام لوگوں کے مسائل میں غیر جانب دار نہیں ہونا چاہیے۔ انہیں مظلوم کی حمایت کرتے ہوئے اسے ظالم سے نجات دلانی چاہیے۔ اس حساس وقت میں ایک عالم کے لیے خاموشی اور غیر جانب داری انتہائی بڑا جرم اور شرم کی بات ہے۔ یہ لوگ کس طرح کی غیر جانب داری کی بات کرتے ہیں؟ انہوں نے تو تحریر اور تقریر میں ہمیشہ جارحیت پسندوں کی حمایت کی ہے۔ ان کی کارکردگی میں تب مزید تیزی آئی، جب مارچ 2018ء کو نیٹو فورسز کے کمانڈر نیکولسن نے نیٹو کے تربیتی سینٹر میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہم مذاکرات کے ساتھ ساتھ طالبان پر عسکری، سماجی اور مذہبی دباؤ بھی بڑھائیں گے۔ جس پر انہوں نے امن کے جھوٹے نعروں کا ایک نہ تھمنے والا سلسلہ شروع کیا۔ نیکولسن کی منشاء کے مطابق سب سے پہلے ان درباری نام نہاد علماء نے بالترتیب کابل، جکارتہ اور سعودی میں کانفرنسز کا انعقاد کیا، جس کا واحد مقصد طالبان کے مقدس جہاد کے خلاف فضا ہموار کرنا تھا۔ تاکہ طالبان عام شہریوں کی حمایت سے محروم ہو جائیں۔

یہی وہ لوگ تھے، جنہوں نے کابل کانفرنس میں پہلے سے لکھا ہوا فتویٰ اُن علماء سے پڑھوایا، جو کانفرنس کے ایجنڈے سے بھی لاعلم تھے۔ جو لوگ کانفرنس میں شریک تھے، ان کا خیال تھا کہ علماء مل بیٹھ کر فتویٰ صادر کریں گے۔ جب کہ کانفرنس کے دوران انہیں کہا گیا کہ فتویٰ تیار ہے، وہ محض اسے پڑھ کر سنا دیں۔ جسے بعدازاں میڈیا میں پورے 'افغانستان کا متفقہ فتویٰ' کہا گیا۔ ان غیر جانب دار علماء میں سے اکثریت ان کی ہے، جو کابل انتظامیہ میں اہم عہدوں پر فائز ہیں۔ قندوز کے ننھے حفاظ جب خون میں لت پت ہوئے تو یہ غیر جانب دار ٹولہ کابل میں ایئر کنڈیشنڈ کمروں میں محو استراحت تھا۔ اس کے علاوہ درجنوں مدارس و مساجد تباہ کر دی گئیں، لیکن ان کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگی۔ ان کی زبان اس وقت بھی نہ کھلی، جب امریکی طیاروں نے ننگرہار پر بموں کی ماں نامی دنیا کا سب سے بڑا بم گرایا۔ حالانکہ اس کی مذمت کچھ ان لوگوں نے بھی کی، جو ماضی میں امریکا کی کاسہ لیسی کر چکے تھے۔ جس میں حامد کرزئی بھی شامل تھے۔

اگر یہ واقعی امن کے خواہاں ہیں تو پھر امریکا اور اس کی غلام کابل انتظامیہ کا نام کیوں نہیں لیتے؟ دنیا دیکھ رہی کہ یہاں تمام مسائل کی جڑ امریکا ہے۔ وہ ہر دن درجنوں معصوم شہریوں پر بم گرا کر انہیں شہید کر رہا ہے۔ اس کے باجود یہ لوگ طالبان کو ہدف تنقید بناتے ہیں۔ وہ صرف طالبان کو مذاکرات اور امن کی دعوت دیتے ہیں۔ ان سے بات چیت کے لیے دوسرے ممالک کے دورے بھی کرتے ہیں۔ حالانکہ طالبان افغانستان کے 60 فیصد رقبے پر اپنا کنٹرول رکھتے ہیں۔ افغان قوم ان کی اصلیت جان چکی ہے کہ وہ کہاں سے آئے اور کس طرح منظم طریقے سے یہ سلسلہ شروع کیا گیا۔ وہ بموں کی بارش میں بھی ایسے تروتازہ اور توانا نظر کیوں آتے ہیں؟ علماء کی عمومی غربت کو دیکھتے ہوئے وہ کس طرح طیاروں میں سفر کرنے کے قابل ہوئے ہیں؟

غیر ملکی جارحیت پسندوں کے ان بڑے جرائم اور مظالم پر ان کی طویل خاموشی سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام دال ہی کالی ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ 'جو مرغا اذان نہیں دیتا، ضرور اس کے گلے میں کوئی مسئلہ ہے۔

سُلیمانی کی ہلاکت اور امریکی مقاصد

شہید زوئی

3 جنوری 2020 کو بغداد ایئرپورٹ کے قریب امریکا کے ایک فضائی حملے میں ایران کی القدس بریگیڈ کے سربراہ جنرل سلیمانی کو ہلاک کر دیا گیا۔ ایرانی انقلاب، خصوصاً گزشتہ دو دہائیوں میں اگرچہ ایران اور امریکا کے معملات انتہائی پیچیدہ ہیں، مگر 2019 کے آخری چند ماہ میں خلیج میں بدامنیوں کے کچھ واقعات اور جنگی تیاریوں کو دیکھتے ہوئے ایسا لگتا ہے کہ ایران اور امریکا خرابی کی جانب جا رہے ہیں۔ یہ بات بھی اب شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ یہ منصوبہ بند واقعات ہیں۔ امریکا نے خلیج میں اپنے عسکری وجود کو وسعت دینے کے لیے سال کے آغاز سے ہی راہیں ہموار کرنے کی کوششیں کی ہیں۔ اسی بات نے خطے کے اکثر ممالک کو شدید پریشان کر رکھا تھا۔ مثال کے طور پر ایران کے ایٹمی پروگرام کے حوالے 2015 میں ہونے والے معاہدے کو امریکا نے ختم کر دیا اور ایران پر نئی اقتصادی پابندیاں عائد کر دیں۔ 12 جون 2019 کو تیل کے دو سمندری ٹینکر دوبئی سے سنگاپور جا رہے تھے، خلیج عمان میں ایران کی ساحلی سرحد کے 26 کلومیٹر کے اندر حملوں کا شکار ہو گئے۔ امریکا نے ان حملوں کی ذمہ داری ایران پر عائد کر دی اور ایسی ویڈیو بھی نشر کی، جس میں ایسا لگتا تھا کہ حملے کے چند گھنٹے بعد ایران کی پاسداران انقلاب کی گشت پر مامور کشتی ٹینکر سے ایسا دھماکہ خیز مواد ہٹانے کی کوشش کر رہی جو پھٹ نہیں سکا۔ ایرانی وزیر خارجہ جواد ظریف نے ان حملوں میں ایران کے ملوث ہونے کی شدید الفاظ میں تردید کی اور امریکا کا یہ دعویٰ بے بنیاد قرار دے دیا۔ اس سے قبل مئی کے دوسرے عشرے میں عراق کے دارالحکومت بغداد میں امریکی سفارت خانے کے قریب ایک میزائل گرا، جس سے کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔ البتہ امریکا نے اس کا الزام ایران پر عائد کر دیا۔

اس واقعے کے بعد صدر ٹرمپ نے بھی ایران کو متنبہ کیا کہ ایران اپنے ناروا اقدامات سے دستبردار ہو جائے، ورنہ اپنے برے نتائج کے لیے تیار رہے۔ ایران نے امریکا کا یہ دعویٰ بھی بے بنیاد قرار دیا اور حملے میں اپنے ملوث ہونے کے الزام کی تردید کی۔ اسی طرح مئی کے دوسرے عشرے میں متحدہ عرب امارات کے ساحل پر سعودیہ کے تیل بردار بحری جہازوں پر ڈرون طیاروں نے بمباری کی۔ ان حملوں کی ذمہ داری حوثی باغیوں نے قبول کی تھی۔ یہ حملے ایران اور امریکا کے درمیان کشیدگی کا دوسرا اہم سبب سمجھے جاتے ہیں۔ 14 ستمبر 2019 کو دنیا بھر میں تیل نکالنے والی پہلی سب سے بڑی سعودی کمپنی 'آرامکو' کے دو مراکز بقیق اور خریص پر ڈرون طیاروں نے بمباری کی، یہ بھی ایک بہت بڑا واقعہ تھا۔ اس حملے نے سعودی عرب کو اتنا نقصان پہنچایا کہ سعودیہ نے اسے اپنا نائن الیون قرار دیا۔ یمن کے حوثیوں نے اس کی ذمہ داری قبول کی اور ایسے مزید حملوں کی دھمکی بھی دی۔ امریکا اور سعودی عرب نے ان حملوں کا ذمہ دار ایران کو قرار دیا اور کہا کہ ڈرون طیارہ ایران سے اڑا تھا۔ ایران نے ان دعوؤں کو مسترد کر دیا۔ اکثر ماہرین نے کہا کہ ایران نے سعودیہ پر یہ حملے اپنی زمین سے نہیں کیے ہوں گے۔ کیوں کہ ایران پر ان حملوں کے ثابت ہونے کی صورت میں ایران شدید عالمی ردعمل کا شکار ہو سکتا ہے۔ دنیا کی سپر طاقتوں کے علاوہ کوئی بھی ملک ایسے حملے کی جرات نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس کے برے نتائج برداشت کر سکتا ہے۔ سعودی عرب میں امریکی فوجی اڈوں اور جدید پیٹریاٹ دفاعی نظام کی موجودگی سعودیہ پر اتنے بڑے حملے ہوتے ہیں تو یہ بظاہر امریکی ناکامی اور درحقیقت ایسے واقعات میں امریکا کا ملوث ہونا واضح ہے۔ ان واقعات اور امریکی صدر کی سخت دھمکیاں دیکھتے ہوئے بہت سے تجربہ کار امریکا کی جانب سے ایران کے خلاف محدود عسکری آپریشن کا خدشہ ظاہر کر رہے تھے، جو سلیمانی کی ہلاکت کی صورت

میں سامنے آیا۔ کچھ ماہرین ایران کو سزا دینے کا یہ خیال مسترد دیں اور کہتے ہیں کہ یہ دراصل مشرق وسطی میں ایک شیطانی منصوبے کے عملی طور پر نفاذ کا انتہائی اہم حصہ ہے۔

یہ ماہرین سعودی عرب کے ساتھ امریکا کی دوستی اور ایران کے ساتھ دشمنی کی بات امریکا کے مقاصد کی تکمیل کا راستہ قرار دیتے ہیں۔ سعودیہ اور ایران کے اقدامات امریکا کے حق میں مفید ثابت ہوتے ہیں۔ اتنا فرق ہے کہ سعودیہ امریکا کو اپنا محافظ سمجھتا ہے تو امریکا کے حکم کے مطابق قدم اٹھاتا ہے۔ ایران کا خیال ہے کہ وہ سب کچھ اپنے مفاد کے لیے کر رہا ہے۔ وسطی ایشیا کی موجودہ حالت دیکھتے ہوئے وہ امریکا کو اپنے آگے مجبور سمجھتا ہے۔ ایران کے اقدامات کے جواب میں امریکا کا آگے نہ آنا بھی وہ امریکا کی مجبوری قرار دیتا ہے۔ ایران سمجھتا ہے یہ اس کے لیے بہترین موقع ہے۔ اس لیے وہ امریکا کے شانہ بشانہ کبھی اس سے ایک قدم آگے بھی چلا جاتا ہے۔ وہ اپنا اثر ورسوخ بڑھا کر ملیشیا فورسز تشکیل دے رہا ہے۔ عرب ممالک پر اپنا تسلط بڑھا رہا ہے۔ اگر سعودیہ امریکا کا اتحادی ہے تو ایران بھی اس کے محاذ کا حامی ہے۔ اگرچہ وہ بظاہر دشمن ہیں۔ ایران بظاہر تو مرگ بر امریکا اور امریکا شیطان بزرگ کے نعرے لگاتا ہے، مگر عملاً پھر بھی شیطان بزرگ کے پہلو میں کھڑا ہے۔ مشرق وسطی میں اس کا سارا اثر ونفوذ اسی شیطان بزرگ کی مہربانی کا نتیجہ ہے۔

جب امریکا نے افغانستان پر جارحیت کی تھی، تب خیال کیا جا رہا تھا کہ ایران یہاں امریکا کے لیے بہت سے مسائل پیدا کرے گا۔ مگر ہم نے دیکھا کہ افغانستان میں موجود ایران کی تابعدار جماعتوں نے امریکا کی جانب ایک پتھر بھی نہیں پھینکا، بلکہ وہ مجاہدین کے خلاف امریکا کی صف میں کھڑی ہو گئیں۔ آج تک ایسا ہی ہے۔ حالانکہ انہی لوگوں کو ایران شام میں جنگ کے لیے بھیجتا ہے۔ انہیں جنگی تربیت دیتا اور فاطمیین کے نام سے ان کا ایک بڑا گروپ بنایا ہے، جس کی تعداد 10ہزار تک پہنچتی ہے۔

امریکا طالبان سے تعلق کے الزام پر عام مسلمانوں کے گھروں پر بمباری کرتا، انہیں شہید کرتا اور جیلوں میں ڈالتا ہے، اس نے کبھی ایران کی عسکریت پسندی کے ان اقدامات پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ فاطمیون کو دہشت گرد قرار دیا اور نہ کسی کو اس جرم میں گرفتار کیا۔ عراق میں تو ایران اور امریکا بالکل کندھے سے کندھا ملائے اپنے مشترکہ دشمن کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ اگرچہ ہدف دونوں کا ایک نہیں ہے، مگر دشمن یقیناً ایک ہے۔ مارچ 2017 کے آواخر میں جنیوا میں امریکا اپنے پانچ اتحادیوں کے ساتھ مل کر ایرانی قیادت سے ایران کے ایٹمی پروگرام پر بات چیت کر رہا تھا، انہی دنوں داعش کے خلاف آپریشن کے نام پر عراق کے تیل سے مالا مال شہر تکریت پر قبضہ کرنے کے لیے ایران کی پراکسی بدر، قدس اور اخوان حزب اللہ کے تین مسلح گروپوں کا امریکی فوج کے شانہ بشانہ اس شہر پر قبضے کا آپریشن بھی جاری تھا، جس کی قیادت قاسم سلیمانی کر رہا تھا۔

اس جنگ میں امریکا پاسداران انقلاب کی مرضی سے داخل ہوا تھا۔ معاہدہ بدر، قدس اور اخوان حزب اللہ تینوں مسلح گروپوں کے مشترکہ ترجمان نعیم العبید نے کیا تھا۔ اس معاہدے کے تحت امریکا پاسداران انقلاب اور مذکورہ مسلح ملیشیا کی فضائی امداد کر رہا تھا۔ اسی لڑائی میں امریکا کے ایک ڈرون حملے میں غلطی سے پاسداران انقلاب کے دو اعلی افسر علی یزدانی اور ہادی جعفری مارے گئے۔ ان کی میتیں تہران میں سپرد خاک کی گئیں۔ ان دو افسران کی ہلاکت پر ایرانی میڈیا نے بہت شور مچایا۔ یہ شور اس وقت تھا، جب نعیم العبیدی نے کہا کہ امریکا کے ڈرون حملے میں ہونے والی ہلاکتیں غیر اختیاری تھیں۔ مذکورہ عراقی گروپ وہی ملیشیا ہے، جس کے بارے میں اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل بان کی مون نے کہا تھا کہ اس ملیشیا نے جن علاقوں پر قبضہ کیا ہے، وہاں عام لوگوں کا قتل عام کیا جا رہا ہے۔ عمارتوں کو ملیامیٹ کر کے لوٹ مار اور خواتین کی عصمت دری کی جا رہی ہے۔ چوں کہ یہ گروپ امریکا کا جنگی ساتھی ہے، اس لیے امریکا نے سیکرٹری جنرل کے اس بیان پر کوئی توجہ نہ دی۔

ایران کے اقدامات نے عربوں کو پریشان کر رکھا ہے۔ امریکا کا مقصد بھی یہی ہے۔ امریکا ایران کے حوالے سے کافی حد تک مبالغہ آرائی سے کام لیتا ہے۔

ایران عسکری حوالے سے جتنی قوت رکھتا ہے، امریکا اسے کئی گنا بڑھا کر دکھاتا ہے۔اس کے دو بڑے مقاصد ہیں۔ایک یہ کہ عرب دنیا کو ایران سے خوف زدہ رکھا جائے، تاکہ عرب ممالک امریکا کو اپنا نجات دہندہ سمجھتے رہیں۔ ہر ملک اپنی داخلہ و خارجہ پالیسی امریکا کی مرضی کے مطابق ترتیب دے۔ خلیج میں امریکا کی موجودگی کو لازمی سمجھا جائے اور اس طرح ان کے وسائل پر ہمیشہ امریکا قابض رہے۔ ایران کے حوالے سے مبالغے کا دوسرا بڑا مقصد خطے میں اسلحے کی دوڑ شروع کرانا ہے۔ امیر عرب ممالک بڑے پیمانے پر اسلحہ امریکا سے خریدیں اور امریکا ہر سال اربوں ڈالر حاصل کرے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ شام، عراق اور یمن کی جنگوں میں ایران کو کردار دلانے اور سعودیہ پر حوثیوں کے میزائل حملے نہ روکنے کا مقصد بھی یہی ہے۔ ایران کی جانب سے حوثیوں کو دیے گئے بیلسٹک میزائل ناکارہ بنانے کے لیے سعودیہ نے امریکا سے مصنوعی سیارہ کرائے پر لے رکھا ہے، جس کا ماہانہ کرایہ 450 ملین ڈالر ہے۔ سعودیہ نے حوثیوں کے خلاف 90 ہزار جنگی پروازیں کی ہیں، جس پر 8 ارب ڈالر مصارف آئے ہیں۔ اس جنگ میں سب سے زیادہ مصارف حوثیوں کی جانب سے فائر کیے گئے میزائلوں کو ناکارہ بنانے پر آئے ہیں۔ ایک بیلسٹک میزائل تباہ کرنے کے لیے تین پیٹریاٹ میزائل فائر کیے جاتے ہیں۔ ایک پیٹریاٹ میزائل کی قیمت 3 ملین ڈالر ہے۔ مارچ 2015 سے اب تک حوثیوں نے سعودیہ پر تقریباً 150 بیلسٹک میزائل فائر کیے ہیں۔ پیٹریاٹ میزائل کے علاوہ سعودی عرب نے روس سے S400 سسٹم اور امریکا سے تھیڈ سسٹم خریدا ہے، جس کی حفاظت اور صفائی پر ہر سال 100 ملین ڈالر مصارف آتے ہیں۔ سعودی عرب دیگر مغربی ممالک کے ساتھ بھی دفاعی معاہدے کرتا جارہا ہے۔ سعودیہ دنیا میں چوتھا بڑا ملک بن چکا ہے، جس نے اپنے بجٹ کا زیادہ حصہ دفاع کے لیے مختص کر رکھا ہے۔ ایران کو ڈھیل دے کر اور عربوں کو خوف میں رکھ کر امریکا اتنی دولت حاصل کر رہا ہے تو کیوں وہ ایران کے اثر ورسوخ کا راستہ روکے گا؟!

سوال یہ ہے کہ ایران امریکا کے خلاف مشرق وسطی میں اپنی ملیشیا کی مدد سے جنگ چھیڑے گا یا بدلہ لینے کے لیے امریکا کے کسی سمندری بیڑے کو نشانہ بنائے گا؟ اصل بات یہ ہے کہ ایران جتنی بھی بڑی ایٹمی طاقت بن جائے اور اس کے جنگی وسائل جتنے بھی مضبوط ہو جائیں، امریکا اور دیگر مغربی دنیا کے لیے اس کا خطرہ بننا ناممکن ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایران کی ٹیکنالوجی اور وسائل امریکی وسائل کا عشرِ عشیر بھی نہیں ہیں۔ امریکا کے مغربی اتحادیوں کی ٹیکنالوجی بھی انتہائی جدید ہے۔ ان کے ایٹمی پروگراموں کو بہت طویل عرصہ ہو چکا ہے۔ ایران کا سب کچھ حالیہ اور نیا ہے۔ بڑی عالمی ایٹمی طاقتوں کے ساتھ اس کی برابری کو ابھی بہت سفر طے کرنا باقی ہے۔ امریکی وزارت دفاع نے سعودیہ میں 3 ہزار مزید امریکی فوجی تعینات کرنے کا اعلان کیا ہے۔ انہوں نے سعودی عرب کی تیل تنصیبات پر حملوں کو اس کے جواز کے طور پر پیش کیا اور کہا کہ سعودی عرب کے دفاع کے لیے یہ اقدام کیا جارہا ہے۔ وزارت دفاع نے کہا کہ یہ تازہ دم دستے مرکزی کمانڈ کے علاقے میں رہیں گے۔ ان کے ہمراہ بڑی تعداد میں ایف 22 ماڈل کے جنگی طیارے بھی ہوں گے، جنہیں ریڈار تلاش نہیں کر سکتا۔ یہ سمندری راستوں کی حفاظت کریں گے۔ سعودی عرب کے فوجی اڈوں میں پیٹریاٹ میزائل نصب کیے جائیں گے۔

ایران کے پاس تیل کے بڑے ذخائر اور زراعت کے لیے وسیع زمین اور چراگاہیں ہیں۔ اس کی صنعت و تجارت بہت کامیاب ہے۔ وہ خلیج اور پورے مشرق وسطی میں کسی کو اپنا حریف نہیں سمجھتا۔ اس لیے اپنی طاقت پر بہت مغرور ہے۔ وہ صرف اپنے اہداف کے حصول کو ہی ضروری سمجھتا اور خطے کے کی خوشی یا ناراضی کی پروا نہیں کرتا۔ دوطرفہ احترام کا مظاہرہ بالکل نہیں کرتا۔ یہ ایران کی بڑی کمزوری ہے۔ اگر ایران اس کمزوری سے نکلا اور خطے کے حوالے سے اپنے موقف میں تبدیلی لے آیا تو یہ ایران اور عرب ممالک کے لیے بہت مفید ہوگا۔ ورنہ ایران اور خطے کے لیے بڑے مادی اور روحانی نقصانات کا باعث ہوگا۔ اس میں امریکا اور دیگر شیطانی قوتوں کے منحوس عزائم کی تکمیل ہوتی رہے گی۔

دو صحافیوں کا مختصر تعارف اور تقابل

محسن پکتین

ہمارے جو نوجوان مغربی تعلیمی اداروں میں پڑھ رہے ہیں۔ اس دوران مغرب ان کا دماغ دھو رہا ہوتا ہے۔ انہیں اپنی روایات سے کاٹ رہا ہوتا ہے۔ مغرب نے ایک طرف ہماری تہذیب، فکری اساسات اور اسلامی تمدن پر طرح طرح کے طعن کر کے اسے قدامت پرستی قرار دینے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ دوسری جانب مغربی ذہنیت کے حامل نوجوانوں کے ذہنوں میں یہ بات بٹھا دی گئی ہے کہ 'مغرب میں اسلام ہے اور مسلمان نہیں، جب کہ اسلامی دنیا میں مسلمان ہیں، لیکن اسلام نہیں! تاکہ اسلامی دنیا میں اسلامی فکر کو ناکام ظاہر کر کے مغربی فکر کو رواج بخشا جائے۔ نوجوانوں کو مغربی تہذیب کے رنگ میں رنگا جائے۔

جمہوریت میں اختلاف رائے کرنے والے کا انجام کیا ہوتا ہے؟ سعودی صحافی جمال خاشقجی اس کی بہترین مثال ہیں۔ ان کے نزدیک اسلام اور جہاد کی روک تھام کے لیے جمہوریت بہترین راستہ تھا۔ تین دہائیوں سے وہ اپنے قلم کے ذریعے اس فکر کی ترویج کرتے رہے۔ سعودیہ میں رواں مذہبی و فکری انحطاط میں ان کا کلیدی کردار رہا ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ موجودہ ولی عہد کے دور میں قابل اور باصلاحیت لوگ مارے گئے ہیں۔ جمال خاشقجی اسی بے دینی اور انتہا پسندی کی بھینٹ چڑھ گئے۔ ان کا انسانی حق اسی جمہوریت نے چھین لیا۔ ان کے ہم خیال ولی عہد نے محض اختلاف رائے کی بنا پر نہایت بے رحمی سے انہیں قتل کرا دیا۔ اس سے زیادہ جمہوریت کی بے رحمی کیا ہو سکتی ہے؟!

صحافی جمال احمد حمزہ خاشقجی اصلا ترکی کے علاقے قیصر علاقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ 1958 میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ امریکی ریاست انڈیانا سے صحافت کی ڈگری حاصل کی۔ انہوں نے روزناموں اور ہفتہ وار میگزینز میں لکھنے کا آغاز کیا۔ انہیں نوے کی دہائی میں افغانستان، الجزائر، کویت، سوڈان اور وسط ایشیائی ممالک کی سیاسیات پر لکھنے کی وجہ سے زیادہ شہرت ملی۔ نوے کی دہائی کے آخر میں روزنامہ عرب نیوز کے رپورٹر اور 2004 میں الوطن کے مدیر رہے۔ اسی سال امریکا اور برطانیہ میں سعودی سفیر کے پریس سیکرٹری رہے۔ اسی کے ساتھ مختلف چینل BBC، MBC اور قطر کے الجزیرہ ٹی وی میں بھی کام کرتے رہے۔ وہ تقریبا تیس سال سے سیاسی معاملات پر لکھتے رہے۔ حال ہی میں سعودیہ سے امریکا فرار ہوئے، جہاں واشنگٹن پوسٹ کے ساتھ منسلک ہو گئے۔ موصوف ریاست ہائے متحدہ میں اخوان المسلمون کے حامی بن گئے۔ اس کے بعد 1970 کے آواخر میں شیخ اسامہ بن لادن کے ساتھ اخوان المسلمون کے ساتھ باقاعدہ منسلک ہو گئے۔ یہ دونوں افغان مجاہدین کے ساتھ محبت کرتے تھے۔ 1980 میں افغانستان کے کئی سفر بھی کیے۔ 1990 سے دوبارہ فکری بے راہ روی کے شکار ہو گئے۔ افغان جہاد سے انکار کیا۔ مجاہدین کو مذہبی انتہا پسند کہہ کر انہیں علاقے کی تباہی کا ذمہ دار ٹھہراتے اور ان کی روک تھام کا مطالبہ کرتے۔ وہ دھیرے دھیرے اس قدر فکری انحطاط کے شکار ہوئے کہ ان کی تحریروں میں یہ بات نمایاں تھی کہ مذہبی انتہا پسندی، اسلامی روایات اور جہاد کی روک صرف جمہوریت کے ذریعے ممکن ہے۔ 11 ستمبر کے حملوں کو اسلام اور سعودی عرب پر حملہ قرار دیتے۔ انہوں نے سعودی حکومت کو پہلے ہی مجاہدین کی حمایت پر مطعون کیا تھا۔ نائن الیون کے حملوں میں بھی انہیں ذمہ دار ٹھہرایا۔ الغرض! خاشقجی کے بدلتے موقف سے ظاہر ہے کہ ان کی دماغی نشو و نما میں مغربی تعلیمی اداروں کا اہم کردار رہا ہے۔ خاشقجی نے سعودیہ کے موجودہ ولی عہد سے اختلاف رائے کی وجہ سے امریکا میں پناہ لے لی۔ وہاں واشنگٹن پوسٹ کے ساتھ منسلک

ہوگئے۔ سعودی ولی عہد کے اقدامات پر اپنی تحریروں میں کڑی تنقید کرتے رہے۔ جس کی پاداش میں 2 اکتوبر 2018 کو ترکی کے دارالحکومت استنبول میں بے دردی سے قتل کردیے گئے۔

دوسرے صحافی محمد احمد وحید مژدہ ہیں۔ وہ اصلا افغانستان کے صوبہ پنج شیر کے علاقے پارساخ سے تعلق رکھتے ہیں۔ 1954 میں صوبہ بغلان میں پیدا ہوئے۔ موصوف کا خاندان قلم اور قرطاس سے تعلق رکھنے والا تھا۔ ان کے والد عبدالحکیم مژدہ شاہی نظام کے زمانے میں ایک نامور لکھاری اور روزنامہ اتحاد ملی کے مدیر مسئول اور حقوق طباعت کی ذمہ دار تھے۔ وحید مژدہ نے ابتدائی تعلیم بغلان میں حاصل کی اور اعلی تعلیم کے لیے کابل کارخ کیا۔ کابل یونی ورسٹی میں پڑھنے کے بعد 1977 میں اکنامکس کی ڈگری حاصل کی۔ 1980 میں افغانستان پر سوویت یونین کی جارحیت کے بعد ایران اور بعد ازاں پاکستان چلے گئے۔ دیگر مجاہدین کی طرح انہوں نے بھی سیاسی اور تہذیبی حوالے سے کام کیا۔ جب مجاہدین کثیر تعداد میں افغانستان کی طرف جانے لگے تو انہوں نے حکمت یار کے ساتھ حزب اسلامی میں شمولیت اختیار کی اور متحدہ محاذ کے پلیٹ فارم سے فعال کردار ادا کیا۔ اس کچھ عرصہ ڈاکٹر عبداللہ یوسف العزام رحمہ اللہ کی تنظیم الخدمت میں شعبہ اطلاعات کے ساتھ منسلک ہو کر لکھتے رہے۔

خانہ جنگی کے دوران پہلے تو اپنے گھر ہی پر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد ربانی کی کابینہ میں وزارت خارجہ میں آفیسر کے طور پر کام کرتے رہے۔ وہ پانچ سال تک طالبان کے دور حکومت میں اسی وزارت میں مشیر اور پریس سیکرٹری کے طور پر کام کرتے رہے۔ کرزئی کی حکومت میں بھی ان کے سیاسی مشیر اور میڈیا سیکرٹری کے طور پر خدمات سرانجام دیتے رہے۔ پچھلے اٹھارہ سالوں سے آزاد تجزیہ کار اور سیاسی مبصر کی حیثیت سے جانے جاتے تھے۔ اسی حیثیت سے بلاخوف میڈیا میں ملک کی شیرازہ بندی کے لیے صلح کی اہمیت اجاگر کرتے ہوئے امریکی جارحیت، نام نہاد جمہوریت کے مظالم اور غلام حکومت کے ظالمانہ اقدامات کے خلاف لکھتے رہے۔ بالآخر غلام حکومت نے طالبان اور غیر ملکی ایجنسیوں کے ساتھ تعلقات کے الزام میں روسی سفارت خانے کے سامنے دو نامعلوم موٹر سائیکل سواروں کے ذریعے اس وقت فائرنگ کر کے شہید کرادیا، جب وہ مغرب کی نماز ادا کر کے مسجد سے اپنے گھر جارہے تھے۔

وحید مژدہ اور خاشقجی کے افکار اور نظریات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ جس کی وضاحت کے لیے باقاعدہ کسی غور و فکر کی ضرورت نہیں ہے۔ اگرچہ وحید مژدہ اکنامکس یونی ورسٹی میں پڑھتے تھے، لیکن مذہب، جہاد اور ملک و ملت کے ساتھ ان کا غیر معمولی عشق اور تاریخ کے ساتھ گہری مناسبت کی وجہ سے وہ ہم عصر صحافیوں اور سیاست دانوں میں ممتاز تھے۔ اپنی اسی فکر و نظر کی وجہ سے انہوں نے چار دہائیوں سے دلیرانہ طریقے سے مشکلات کا سامنا کیا۔ ان کی سیاسی اور صحافتی زندگی میں پیش آنے والی مشکلات کے متعلق ان کی عینی شاہد ہی کچھ کہہ سکتے ہیں۔ جس نے ان کی زندگی نہ دیکھی ہو، وہ اندازہ نہیں لگا سکتا۔ بہت سی حکومتیں آئیں اور گئیں۔ ان کی پیشہ وارانہ صلاحیتوں کی وجہ سے ہر حکومت کو ان کی ضرورت رہی۔ احمد شاہ مسعود کی تعریف میں 'افغانستان و پنج سالہ سلطہ طالبان' اور کرزئی حکومت میں ذمہ داریاں سنبھالنا اس کی مثالیں ہیں۔ بایں ہمہ وہ اپنی فکر و نظر اور تہذیب و تمدن پر مضبوطی سے کاربند رہے۔ اسی فکر کے ساتھ زندہ رہے اور اسی پر شہید ہوئے۔ وحید مژدہ نہایت باصلاحیت تھے۔ انقلاب ثور کے وقت سے ان کی شہرت میں اضافہ اور صلاحیتوں میں نکھار آیا۔ انہوں نے اسلامی نظام کے نفاذ، آزادی و خود مختاری اور استحکام کے لیے زندگی کے آخر تک جدوجہد کی۔ اس مقصد کے لیے کسی قیمت پر سمجھوتہ نہیں کیا۔

ان کی جہادی، سیاسی اور صحافتی خدمات دیکھ کر اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ وہ روس کے خلاف صف اول کے مجاہدین میں سے تھے۔ انہوں نے خانہ جنگی کے دوران مجاہدین کے درمیان سات جماعتی اتحاد پر نہایت زور دیا۔ وہ حزبِ اسلامی کی جنگی پالیسیوں سے اختلاف کی بناپر گوشہ نشین ہوگئے۔ حزب کارکن ہونے کے باوجود ربانی کی کابینہ میں ان کے ساتھ بھرپور کام کرتے رہے۔ طالبان کے ساتھ بھی پانچ سال تک تعاون کر کے کسی بھی دوسرے سے زیادہ خدمات پیش کیں۔

طالبان کی سقوط پر وہ حد درجہ آزردہ تھے۔ پھر بھی مایوس نہ ہوئے۔ کرزئی کابینہ میں رہ کر اپنی زندگی کے واحد مقصد کے لیے جدوجہد کرتے رہے۔ آزاد اور خود مختار سیاست و صحافت کا نسخۂ کیمیا تیار کیا۔ دوسرے طریقے سے اپنے مقصد کے لیے جدوجہد شروع کی، جو ہر دم ان کے لیے موت کا پیغام ہو سکتی تھی۔ بالآخر یہی قیمت ادا کر کے امر ہو گئے۔ انہوں نے تاریخ میں اپنا نام روشن کیا۔ انہوں نے آزاد و خود مختار ریاست اور ریاستی جکڑبندیوں سے آزاد صحافت جیسی دیرینہ تمنا کی تکمیل طالبان کے دورِ حکومت میں سمجھی تھی۔ انہوں نے اپنا موقف دو ٹوک انداز میں بیان کرنے، حقائق کی تصویر کشی اور آزاد صحافت کے لیے طالبان دورِ حکومت ہی میں جنگ لڑی۔ ان کی تحریروں میں طالبان کی حمایت کا عنصر نمایاں ہے۔ طالبان بھی بطور صحافی ان کا احترام کرتے تھے۔ وحید مژدہ کی خاشقجی سے دیگر امتیازی خصوصیات کے علاوہ ان کا ملک کے اندر تعلیمی سلسلہ ہے۔ یہی وجہ ہے انہوں نے اپنی تہذیب کے ساتھ مضبوط وابستگی نبھائی، جس کی وجہ سے ان کی شہرت میں اضافہ ہوا۔

وحید مژدہ کے ساتھ موازنہ کرتے ہوئے خاشقجی کا تعارف کوئی مشکل نہیں ہے۔ اتنا کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ موصوف اپنی تہذیب و تمدن، تاریخ اور اسلامی روایات سے متعلق وحید کے بالکل برعکس تھے۔ اپنی ہی تہذیب کے خلاف ایک غدار کی طرح کام کرتے رہے۔ خاشقجی وحید مژدہ سے چار سال چھوٹے تھے۔ آخر میں بھی وحید مژدہ سے ایک سال پہلے قتل کر دیے گئے۔ یوں اول و آخر میں وہ وحید مژدہ سے عمر میں چھوٹے رہے۔ دونوں میں بہت حوالوں سے مماثلت پائی جاتی ہے۔ دونوں صحافی ہیں۔ دونوں کے چار حرفی نام ہیں۔ دونوں کے ناموں میں احمد ہے۔ دونوں اپنی حکومتوں کی جانب سے نہایت بے دردی سے مار دیے گئے۔ خاشقجی نے یورپ میں تعلیم حاصل کی تھی۔ امریکی یونی ورسٹی سے صحافت کی ڈگری حاصل کی تھی۔ وحید مژدہ سے کم عمر پانے کے باوجود ان سے زیادہ مرتبہ اپنی فکر تبدیل کرتے رہے۔ انہوں نے سعودی حکام کو طرزِ زندگی بدلنے پر مجبور کیا۔ انہوں نے سعودی حکام کو جو خطوط مہیا کیے، وہ آج تک اس پر لکھ رہے ہیں۔ اقوام متحدہ نے ان کی ہلاکت کو بہت بڑا حادثہ قرار دیا۔ امریکا اور ترکی کے تعلقات نہایت نازک موڑ پر پہنچ گئے۔ پوری دنیا نے ان کی ہلاکت کی مذمت کی۔ وحید مژدہ کے برعکس ان کی ہلاکت کو دنیا نے بہت اچھالا۔ جو خاموشی خاشقجی کی ہلاکت پر اختیار کی جانی چاہیے تھی، وہ مژدہ کی شہادت پر اختیار کی گئی۔ جو مذمت وحید مژدہ کی شہادت پر کرنی چاہیے تھی، وہ خاشقجی کی ہلاکت پر کی گئی، اس کی دو بنیادی وجوہات ہو سکتی ہیں۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ وحید مژدہ افغانستان جیسے محکوم ملک کے صحافی تھے۔ یہ اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ نہیں ہے۔ اس کے خلاف کسی نے آواز اٹھائی اور نہ اٹھائی جانے والی آواز سنی گئی۔ یہ سب اس لیے کہ انتظامیہ خود اس کی قاتل ہے۔ وہ کس کے خلاف آواز اٹھائے؟ اٹھائی جانے والی آواز کیوں کر سنے؟ دوسری وجہ یہ ہے کہ مژدہ جو کچھ بھی تھے، وہ کسی بھی دوسری قوت کے بجائے اپنے ہی ملک اور مذہبی شناخت کے لیے کام کرتے تھے۔ وہ ملک میں موجود سیکولر، کمیونسٹ اور ملحدین کی نمائندہ قوتوں کے لیے ناقابل برداشت تھے۔ وہ ہمیشہ ان کی تاک میں رہتے۔ ان کی شہادت کے خلاف احتجاج ملک ہی سے اٹھنا تھا، لیکن جب ملک خود ہی غلام گردشوں میں پھنسا ہو تو احتجاج کہاں سے اور کن کے خلاف اٹھے؟ مژدہ کے چند ہم فکر ساتھیوں نے ان کے قتل کے خلاف آواز اٹھائی تو کہیں بھی شنوائی نہیں ہوئی۔ کیوں کہ وہ ایک مسلمان افغان صحافی تھے۔ اپنی غیرت و حمیت کی بنا پر تاریخ میں اپنے لیے وہ مقام بنا گئے، جو ہر کسی کو نصیب نہیں ہوتا۔ خاشقجی کلی طور پر مژدہ کے برعکس تھے۔ ان کی زندگی مکمل امریکی مفادات اور جمہوریت کی بالادستی کے تابع تھی۔ انہیں قتل بھی اسی جمہوریت نے کیا۔ اور اس پر افسوس بھی یہی جمہوریت کر رہی ہے۔ انہوں نے کبھی کبھار امریکا اور اس کی حواری قوتوں کے اسلام اور جہاد دشمن موقف کی حمایت بھی کی۔ وہ امریکی تاریخ میں ان کے سب سے بڑے دشمن شیخ اسامہ بن لادن کے ساتھی رہے تھے۔ انہوں نے تیس سال تک ان کی ہم نوائی میں اپنا قلم استعمال کیا تھا۔ ان کی ہلاکت ایک ڈیموکریٹ صحافی کی حیثیت سے امریکا اور اقوام متحدہ پر حملہ قرار دی گئی۔ امریکا نے ان کے قتل کو ایک بہترین ساتھی کی جدائی قرار دیا۔ اسی لیے محض خانہ پری کے لیے ان کے ساتھ اظہار یک جہتی کے طور پر امریکا نے ان کے قاتلوں کو پکڑنے کا مطالبہ کیا۔ نام نہاد جمہوریت اسی منافقت کا نام ہے۔ اگر ان کے قاتلوں کو پکڑنا تھا تو وہ امریکا کے لیے کون سا مشکل ہے؟!

2019 کے اہم واقعات پر ایک طائرانہ نظر

احمد فاری

سن 2019 جس میں افغانستان پر امریکی جارحیت کے خلاف مسلح مزاحمت، سیاسی اور ثقافتی جدوجہد جاری رہی، حسب سابق اضلاع، فوجی اڈوں اور اہم علاقوں کو فتح کرنے کے علاوہ سیاسی محاذ پر بھی امارت اسلامیہ نے اہم کامیابی حاصل کی، مجاہدین کی سیاسی فتوحات، قابض امریکہ کی جانب سے امارت اسلامیہ کی قیادت کے ساتھ براہ راست امن مذاکرات سال گزشتہ کی اہم کامیابیوں میں شامل ہیں، علاوہ ازیں قابض امریکی و نیٹو افواج اور افغان فورسز کو بھاری جانی اور مالی نقصان، مسلسل شکست ،کابل انتظامیہ کے اندر شدید اختلافات، پارلیمانی انتخابات میں ناکامی کے بعد صدارتی انتخابات کی مکمل ناکامی اور کرپٹ انتظامیہ کی بوکھلاہٹ اور بدحواسی گزشتہ سال کے اہم واقعات میں شامل ہیں۔

دوسری جانب مسلح، سیاسی، ثقافتی اور معاشرتی شعبوں میں مجاہدین کی پیشرفت کے باعث قابض افواج اور کابل انتظامیہ اتنے بدحواس اور بوکھلاہٹ کا شکار ہوئے کہ جنگی جرائم، بربریت اور بے گناہ شہریوں کے قتل عام کا سلسلہ ماضی سے بھی تیز کردیا، اسی بناء پر گزشتہ برسوں کے برعکس گزشتہ سال کے دوران سفاک دشمن نے نہتے شہریوں پر تشدد میں کئی گنا اضافہ کردیا، جس کے باعث عام لوگ دشمن کے مظالم سے سب سے زیادہ متاثر ہوئے، ہم نے گزشتہ سال کے اہم واقعات کا ماہانہ جائزہ لینے کی کوشش کی ہے جو قارئین کی خدمت میں پیش کریں گے۔

جنوری 2019 :

یکم جنوری کو مجاہدین نے کابل میں امریکی سفارت خانے اور بگرام فوجی اڈے پر راکٹ حملے کئے جس سے دشمن کو بھاری جانی نقصان ہوا، اگلے روز پانچویں بریگیڈ پر حملے میں متعدد حملہ آور ہلاک اور زخمی ہوئے۔ 14 جنوری کو غیر ملکی دشمن کے اہم انٹلی جنس دفتر گرین ولیج پر بڑے پیمانے پر حملے کے نتیجے میں یہ مرکز مکمل طور پر تباہ ہوگیا، جس میں درجنوں قابض اہل کار ہلاک اور زخمی ہوگئے۔ 12 جنوری کو نیویارک ٹائمز نے رپورٹ شائع کی کہ پچھلے ایک ہفتے کے دوران کابل انتظامیہ کے 139 اہل کار ہلاک ہوئے، 24 جنوری کو اشرف غنی نے بھی اعتراف کیا کہ وہ جب سے برسراقتدار آئے ہیں یعنی چار سال کے دوران طالبان کے حملوں میں 45 ہزار اہل کار ہلاک ہوئے ہیں، 31 جنوری کو سیگار نے اعلان کیا کہ افغان فورسز کی تعداد میں کمی آرہی ہے اور ان کے جانی نقصان میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے، اس ماہ کے دوران صوبہ لوگر کے الیکشن کمیشن کے ایڈمنسٹریٹر، پل خمری شہر کی بٹالین کے کنٹرولر ، صوبہ لغمان میں فرعون کے نام سے مشہور ظالم اربکی کمانڈر ، قندھار میں قومی سلامتی کے مینیجر، ضلع میوند میں کمانڈر، قندھار کے جج ہلاک ہوگئے۔

یکم جنوری کو نیویارک ٹائمز نے خبر شائع کی کہ امریکی فوج کے تربیت یافتہ افغان اہل کار عام شہریوں کو حراست میں لے رہے ہیں۔

جنوری میں قندھار کے ضلع میوند میں دشمن کا ایک فوجی اڈہ تباہ کیا گیا، 5 جنوری کو پل خمری شہر میں سیکیورٹی اڈہ، 7 جنوری کو صوبہ بادغیس کے دو اضلاع قادس اور آب کمری میں متعدد چوکیاں، 10 جنوری کو صوبہ جوزجان کے ضلع فیض آباد میں متعدد چوکیاں فتح کی گئیں، 20 جنوری کو صوبہ میدان وردگ میں مجاہدین نے دشمن کے فوجی اڈے پر حملہ کیا جس کے نتیجے میں دشمن کے متعدد اہلکار ہلاک اور زخمی ہوگئے۔

امارت اسلامیہ نے 15 جنوری کو ایک اعلامیہ جاری کیا جس کے مطابق افغانستان کا تنازع دباو اور فوجی طاقت کے استعمال کے ذریعے حل نہیں ہوسکتا، 20 جنوری کو قطر کے دارالحکومت دوحہ میں دوبارہ امن مذاکرات شروع ہوئے، 24 جنوری کو امارت اسلامیہ کی قیادت نے ملا برادر اخوند کو سیاسی امور کے نائب اور قطر کے سیاسی دفتر کے سربراہ مقرر کیا۔

دوسری جانب 3 جنوری جمعرات کو ٹرمپ نے کہا کہ انہوں نے افغانستان کی جنگ میں ناکامی کی وجہ سے امریکی وزیر دفاع جنرل میٹیس کو عہدے سے برطرف

کر دیا، اس کے علاوہ 31 جنوری کو اشرف غنی نے ٹرمپ سے اپیل کی کہ وہ افغانستان سے امریکی فوج کا انخلا نہ کریں۔

فروری:

10 فروری کو صوبہ روزگان کے مرکز ترین کوٹ میں 12 حملہ آور مارے گئے،

18 فروری کو صوبہ فراہ کے ضلع پشتون کوٹ میں مجاہدین نے جاسوس طیارہ مار گرایا

2 فروری کو صوبہ ننگرہار کے ضلع خوگیانی میں مجاہدین کے کامیاب حملے میں دشمن کے درجنوں کمانڈوز ہلاک اور زخمی ہوئے، اس کے علاوہ صوبہ سرپل کے ضلع گوسفندی کے نائب ضلعی سربراہ، صوبہ میدان وردگ میں کمانڈر، قندھار کے ضلع پنجوائی میں ایک ظالم کمانڈر، صوبہ پروان میں دو کمانڈر مارے گئے۔

10 فروری کو سرپل کے ضلع سیاد میں تین چوکیاں، فراہ کے ضلع بالابلوک میں ایک فوجی اڈہ، قندہار کے ضلع معروف، 28 فروری کو صوبہ بلخ کے ضلع چہار بولک میں تین چوکیاں فتح ہوئیں۔

2 فروری کو روزنامہ انڈیپنڈیٹ نے کابل انتظامیہ کو بے نقاب کرتے ہوئے رپورٹ شائع کی کہ اشرف غنی نے دورہ پاکستان کے دوران جی ایچ کیو میں وعدہ کیا کہ وہ اس ملک کے خفیہ ادارے کے مطالبہ پر اپنے ملک کے سیکیورٹی اداروں میں نامزد اہلکاروں کو برطرف کیا جائے گا۔

مارچ:

21 مارچ کو امارت اسلامیہ نے ایک بیان جاری کیا جس میں کہا گیا تھا کہ گذشتہ ایک سال کے دوران 387 قابض امریکی فوجی ہلاک ہوئے تھے اور 22 مارچ کو صوبہ قندوز میں چھ مزید امریکی فوجی ہلاک ہوئے۔ 18 مارچ کو صوبہ پروان کے بگرام میں مجاہدین نے ایک ڈرون طیارہ مار گرایا۔

مارچ کے مہینہ میں صوبہ قندھار کے رکن پارلیمنٹ، صوبہ ننگرہار میں ایک کمانڈر، صوبہ ہرات میں پارلیمنٹ کے لئے نامزد امیدوار، صوبہ فراہ میں محکمہ بہبود آبادی کے ڈائریکٹر، صوبہ ہلمند کے ایجوکیشن ڈائریکٹر، ہلمند کے لشکر گاہ میں ظالم کمانڈر، قندھار پولیس کے سربراہ، لوگر کے ضلع برکی برک کے کمانڈر، فاریاب کے ضلع شرین تگاب میں پولیس چیف اور غزنی میں ایک سیکیورٹی ڈسٹرکٹ کمانڈر بھی ہلاک ہوئے۔

یکم مارچ کو ہلمند کے ضلع شوراب میں امریکی فوجی اڈے باسٹن پر مجاہدین نے ہلاکت خیز حملہ کیا جس میں دشمن کے 397 سے اہل کار ہلاک ہوئے جن میں پانچ پائلٹ اور ہوائی جہاز کے انجینئر سمیت 137 امریکی اہل کار تھے، اس کے علاوہ اس کارروائی میں دشمن کے متعدد ہیلی کاپٹر، کنٹرول راڈار، ٹینک اور دیگر کئی سامان مکمل طور پر تباہ کر دیئے گئے، مارچ کے مہینے میں قندوز کے ضلع امام صاحب میں دشمن کا ایک فوجی اڈہ اور دو چوکیاں، بادغیس کے ضلع بالامرغاب میں ایک فوجی اڈہ، سمنگان، فراہ اور بادغیس صوبوں میں ایک مرکز اور 45 چوکیاں، کاپیسا کے ضلع نجراب میں دو فوجی اڈے، صوبہ ہلمند کا ضلع سنگین، صوبہ زابل کا ضلع سیوری اور بدخشان میں ضلع ارغنجواہ پر مجاہدین نے اپنا کنٹرول سنبھال لیا۔

سیاسی میدان میں 6 مارچ کو واشنگٹن ٹائمز نے خبر شائع کی کہ طالبان نے غیر ملکی افواج کے تین سے پانچ سال تک انخلاء کی تجویز کو مسترد کر دیا، اس کے بعد 9 مارچ بروز ڈی ہیل نے خبر شائع کی کہ طالبان کے ساتھ امریکہ کی بات چیت کامیاب نہیں ہوتی ہے تب بھی شاید ٹرمپ اپنی افواج کی واپس کا اعلان کریں۔

جمہوریت میں جو کچھ ہوا اس کے تحت 12 مارچ کو پیک رپورٹرز نیوز ایجنسی نے خبر شائع کی کہ کابل انتظامیہ کے فوجی اور سیکیورٹی اداروں میں 80 فیصد خواتین ملازمین کو جنسی طور پر ہراساں کیا جاتا ہے، اس کے علاوہ وزارت صحت عامہ کی اطلاعات کے مطابق پچھلے ایک سال کے دوران سیکڑوں خواتین ایڈز کا شکار ہو گئیں اور مختلف اسپتالوں میں ان کا اندراج کیا گیا ہے۔

اپریل:

8 اپریل کو صوبہ پروان میں سب سے بڑے امریکی فوجی اڈے کے مین گیٹ پر فدائی مجاہدین نے امریکی کانوائے کو نشانہ بنایا جس میں دس کے قریب امریکی فوجی ہلاک اور زخمی ہوئے۔

10 اپریل کو صوبہ ہلمند میں ایک ڈرون گر کر تباہ ہوا۔ 19 اپریل کو صوبہ غزنی کے ضلع ناوا میں دو قابض امریکی فوجی ہلاک ہو گئے۔

اس کے علاوہ اپریل میں عدلیہ کے بجٹ منیجر، صوبہ بلخ میں ایئرپورٹ انٹلی جنس ڈائریکٹر، صوبہ فراہ کے مرکز میں فوجی کمانڈر، صوبہ ہلمند کے دارالحکومت لشکر گاہ میں ایک کمانڈر ہلاک ہو گئے۔

یکم اپریل کو بادغیس کے ضلع بالا مرغاب میں دشمن کے دو مرکز، 4 اپریل کو اسی ضلع میں 5 چوکیاں، 6 اپریل کو ضلع آب کمری اور بالا مرغاب فتح ہو گئے، 10 اپریل کو قندھار میں دشمن کا ایک ہیلی کاپٹر گر کر تباہ ہوا۔

2 اپریل کو امارت اسلامیہ نے الفتح آپریشن کے نام سے موسم بہار کی کارروائی کا اعلان کیا جس کے تحت پہلے ہی دن ملک بھر میں حملہ آوروں اور کابل انتظامیہ کے اہل کاروں پر 100 سے زیادہ چھوٹے اور بڑے حملے کیے گئے۔

29 اپریل کو کابل میں مشاورتی لویہ جرگہ منعقد ہوا جس میں حکومت کے حامی لوگوں کو مدعو کیا گیا تھا تاہم کابل انتظامیہ میں شریک چیف ایگزیکٹو، سیاسی جماعتوں اور بااثر افراد نے اس سے بائیکاٹ کا اعلان کیا اور اس کو مسترد کر دیا۔

3 اپریل کو ٹرمپ نے نیٹو یونین کی ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ افغانستان میں امریکی فوج کا جنگ غیر ضروری ہے اور اس کے اگلے روز ایک ریٹائرڈ امریکی جنرل نے نیویارک ٹائمز کو بتایا کہ امریکی اب افغانستان میں تھک گیا ہے۔ 7 اپریل کو امریکی کے ایک سینئر عہدیدار نے کہا کہ اب امریکہ کو افغانستان سے انخلا کا وقت آگیا ہے۔

مئی:

8 مئی کو قابض امریکی فوج نے مشرقی افغانستان میں اپنے ایک اہل کار کی ہلاکت کا اعلان کیا۔ دوسری طرف صوبہ لغمان کے ضلع الینگار میں پولیس چیف، صوبہ بغلان میں قومی سلامتی کے نائب سربراہ صوبہ زابل کے ضلع سیوری میں ایک کمانڈر مجاہدین کے حملوں میں ہلاک ہو گئے۔

اس ماہ کے دوران امارت اسلامیہ نے ایک بیان جاری کرتے ہوئے کہا کہ گذشتہ دو ماہ کے دوران کابل انتظامیہ کے 1500 سے زائد اہل کاروں نے ہتھیار ڈال کر مجاہدین کے سامنے سرنڈر ہوئے۔

5 مئی کو بغلان پولیس ہیڈ کوارٹر پر فدائی حملے اور 8 مئی کو کابل شہر میں دشمن کے جاسوس اڈے پر بڑے حملے میں متعدد قابض امریکی اور افغان فوجی ہلاک ہو گئے۔

10 مئی کو صوبہ بادغیس کے ضلع بالا مرغاب، 13 مئی کو صوبہ غور کے ضلع چارسدہ اور 16 مئی کو صوبہ زابل کے ضلع سیوری کے بقیہ علاقوں سے بھی مجاہدین نے دشمن کا صفایا کر دیا۔

یکم مئی کو قطر میں امارت اسلامیہ اور امریکی مذاکراتی ٹیم کے درمیان مذاکرات کا چھٹا دور شروع ہوا، 11 مئی کو رائٹرز نیوز ایجنسی نے خبر شائع کی کہ پروپیگنڈہ مہم میں طالبان امریکہ اور کابل انتظامیہ سے بھی آگے نکل گئے ہیں۔

جون:

جون کے مہینے کے دوران صوبہ میدان وردگ میں اربکی ملیشیا کے جنرل کمانڈر، اس صوبے کے ضلع سید آباد میں ایک فوجی پائلٹ، پکتیکا کے ضلع برمل میں پولیس کمانڈر، غزنی کے ضلع خوگیانی کے پولیس کمانڈر اور خوست میں گربز کے سابق پولیس کمانڈر ہلاک ہوئے۔

11 جون کو صوبہ زابل کے ضلع دای چوپان، 12 جون کو صوبہ تخار کے ضلع خواجہ غار، 15 جون کو صوبہ غور کے فیروز کوہ اور دولتیار اضلاع میں 100 دیہات، 28 جون کو غزنی کے ضلع دہ یک، 30 جون کو قندوز کے ضلع امام صاحب اور قندھار کے ضلع معروف پر مجاہدین نے اپنا کنٹرول سنبھال لیا اور ان تمام اضلاع سے دشمن کا قبضہ چھڑا لیا۔

سیاست کے میدان میں: 18 جون کو امارت اسلامیہ کے سیاسی دفتر کے ترجمان جناب سہیل شاہین نے کہا کہ امریکیوں نے افغانستان سے اپنی افواج کے انخلا پر رضامندی ظاہر کر دی، 20 جون کو کابل میں نیٹو کے نمائندے نے کہا کہ افغانستان میں جنگ کے خاتمے کا وقت آگیا ہے اور 21 جون کو امریکی صدر ٹرمپ نے کہا کہ امریکی فوجی افغانستان میں تھک گئے ہیں۔

25 جون کو امریکی وزیر خارجہ نے یہ بھی کہا کہ وہ افغانستان سے اپنی افواج کی واپسی پر رضامند ہیں اور بالآخر 29 جون کو دوحہ میں امارت اسلامیہ اور امریکی مذاکراتی ٹیم کے درمیان امن مذاکرات کا ساتواں دور شروع ہوا۔

دوسری جانب 12 جون کو نیٹو کے ایک ترجمان نے اعتراف کیا کہ افغان عوام اپنے ملک سے غیر ملکی فوجیوں کا انخلا چاہتے ہیں۔ 19 جون کو کابل انتظامیہ نے قابض قوتوں سے اپیل کی کہ وہ اس کے ساتھ تعاون جاری رکھیں۔

جمہوریت کی کامیابیوں کے سلسلے میں 2 جون کو کابل کی مزدور انتظامیہ کی سلامتی کونسل کے سابق سربراہ رحمت اللہ نبیل نے دعوی کیا کہ کابل انتظامیہ کے سربراہ اشرف غنی نے ڈیورنڈ لائن پر پاکستان کے ساتھ معاہدہ کیا ہے۔ 21 جون کو ایک شرمناک واقعہ رونما ہوا جب قابض امریکی فوج اور کابل انتظامیہ نے مل کر

داعش کے جنگجو کو ہیلی کاپٹروں کے ذریعے مجاہدین کے حملوں سے بچایا اور انہیں محفوظ مقام پر منتقل کر دیا۔

جولائی:

13 اور 14 جولائی کو صوبہ غزنی میں پانچ امریکی فوجی ہلاک ہوگئے، 24 جولائی کو کابل میں قابض امریکی فوجیوں کا فوجی قافلہ نشانہ بنایا گیا جس میں انٹیلی جنس ادارے کے متعدد اہلکار ہلاک ہوگئے۔

جولائی میں اشرف غنی کے محافظوں کے کمانڈر، فاریاب میں فائرنگ میں 39 کمانڈو اور صوبہ پکتیا کے ضلع زرمت میں اربکی کمانڈر مارے گئے۔

یکم جولائی کو کابل میں وزارت دفاع کے لاجسٹک سنٹر اور 7 جولائی کو صوبہ غزنی میں سیکورٹی مرکز پر حملوں میں دشمن کے درجنوں اہل کار ہلاک اور زخمی ہوئے، 16 جولائی کو بادغیس کے ضلع آب کمری میں دشمن کے 39 کمانڈوز مارے گئے، 18 جولائی کو قندھار میں پولیس ہیڈ کوارٹر پر حملہ کیا گیا جس میں 100 سے زائد پولیس اہلکار ہلاک ہوئے۔

2 جولائی کو صوبہ جوزجان کے ضلع قوشتپہ، بغلان میں درہ کیان، 3 جولائی کو صوبہ غور کے ضلع ساغر میں اہم علاقہ، 8 جولائی کو بغلان کے پل خمری شہر میں دشمن کا ایک اہم فوجی اڈہ، 12 جولائی کو صوبہ پکتیکا کے خوشامند، 16 جولائی کو صوبہ بدخشاں کے ضلع کران ومنجان میں لاجورد سب سے بڑی کان اور 22 جولائی کو ضلع کران ومنجان کو فتح کیا گیا۔

7 جولائی کو قطر کے دارالحکومت دوحہ میں بین الافغان مذاکرات کے سلسلے میں مشترکہ اجلاس ہوا اور اگلے روز مشترکہ اعلامیہ جاری کیا گیا، اس اجلاس میں شریک افراد نے امارت اسلامیہ کے وفد سے اظہار تشکر کیا اور بیشتر شرکاء نے کہا کہ امارت اسلامیہ کے بارے میں ان کو جو بھی شبہات تھے وہ ختم ہوگئے ہیں۔

عالمی ادارہ صحت نے 2 جولائی کو ایک رپورٹ جاری کی جس میں بتایا گیا تھا کہ گزشتہ چار برس کے دوران دو سو سے زائد بچے ایڈز سے متاثر ہوئے ہیں، 11 جولائی کو بی بی سی نے خبر شائع کی کہ کابل انتظامیہ کے اندر اخلاقی بدعنوانی اور جنسی تشدد کے واقعات میں اضافہ ہو رہا ہے۔

دوسری طرف حملہ آوروں کے راز سے بھی پردہ اٹھایا گیا 3 جولائی کو امارت اسلامیہ نے کابل انتظامیہ کی صفوں میں بلیک واٹر کے اجرتی قاتلوں کی موجودگی کی خبر شائع کی، 16 جولائی کو کابل انتظامیہ نے ریاستی سطح پر ایک دارالافتاء کے قیام کا اعلان کیا۔

22 جولائی کو امریکہ کے صدر ٹرمپ نے کہا کہ اگر وہ چاہیے تو افغانستان کو دنیا کے نقشہ سے ختم کر دیں گے اور اس کے لئے دس ملین افغانوں کو ہلاک کریں گے، اور اس کے بعد اشرف غنی کی کرسچن اہلیہ نے اسرائیلی شہریوں کو افغانستان میں سرمایہ کاری کی دعوت دی۔

اگست:

7 اگست کو قندھار کے ضلع ڈنڈ میں قابض امریکی فوجیوں کے قافلے پر حملہ کیا گیا جس کے نتیجے میں متعدد اہل کار ہلاک اور زخمی ہوئے، 21 اگست کو مزید دو فوجی ہلاک اور 23 اگست کو فاریاب کے ضلع المار میں چار حملہ آور مارے گئے، 24 اگست کو مجاہدین نے قابض امریکی فوج کے سب سے بڑے فوجی اڈے بگرام پر میزائلوں سے حملہ کیا جس میں گیارہ امریکی فوجی ہلاک اور زخمی ہوئے، نیز 31 اگست کو ایک اور امریکی فوجی مجاہدین کے حملے میں ہلاک ہوا۔

اگست کے دوران صوبہ ہرات کے ضلع زندہ جان کے ضلعی سربراہ، ضلع فارسی کے گورنر، لوگر کے ڈسٹرک پولیس چیف، سمنگان کی صوبائی کونسل کے ممبر، جوزجان میں اربکی کمانڈر اور صوبہ فراہ کے ضلع پرچمن میں اربکی ملیشیا کے ضلعی سربراہ مارے گئے۔

یکم اگست کو کابل شہر میں پولیس چوکی پر حملہ کیا گیا جس میں چھ پولیس اہل کار مارے گئے، 5 اگست کو قندھار کے ضلع شاولی کوٹ میں ایک رابطہ کار مجاہد نے فائرنگ کر کے 14 پولیس اہل کاروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، 6 اگست کو کابل میں پولیس بھرتی مرکز پر حملہ کیا گیا۔

10 اگست کو صوبہ زابل کے دو اضلاع داہچوپان اور سیوری، 24 اگست کو صوبہ بلخ کے ضلع نہر شاہی میں دشمن کا فوجی اڈہ، 28 اگست کو تخار کے ضلع چاہ آب، 30 اگست کو فاریاب کے ضلع قرغان میں اہم علاقہ، 31 اگست کو قندوز میں متعدد چوکیاں اور ایک فوجی اڈہ مجاہدین نے فتح کرنے کا اعلان کر دیا ان کارروائیوں میں دشمن کو بھاری جانی ومالی نقصان بھی ہوا۔

3 اگست کو امارت اسلامیہ اور امریکی مذاکراتی ٹیم کے درمیان مذاکرات کا آٹھواں دور دوحہ میں شروع ہوا، 12 اگست تک جاری رہا اور 22 اگست کو امن مذاکرات کا نواں دور شروع ہوا جو اگست کے آخر تک جاری رہا۔

23 اگست کو کابل انتظامیہ کے سربراہ اشرف غنی نے بے شرمی کے ساتھ اعلان کیا کہ ان کی سکیورٹی فورسز بین الاقوامی سلامتی کے تحفظ کے لئے لڑ رہی ہیں، امارت اسلامیہ نے افغان کٹھ پتلی فورسز کے خلاف 19 برس تک مسلسل جہاد کیا اور وہ ملک کے اندر غیر ملکی حملہ آوروں کے مفادات کا دفاع کرتی ہیں۔

ستمبر:

یکم ستمبر کو روزگان کے مرکز ترینکوٹ میں تین قابض فوجی ہلاک ہو گئے، اس کے بعد کابل میں گرین ویلیج کیمپ پر ایک زبردست حملہ کیا گیا جس میں 200 سے زائد قابض فوجی ہلاک اور زخمی ہوئے، اسی دن صوبہ غور میں ایک ڈرون طیارہ بھی گر کر تباہ ہوا، 5 ستمبر کو کابل میں فدائی مجاہدین نے قابض امریکی فوجی قافلے پر حملہ کیا جس میں بارہ امریکی فوجی ہلاک ہو گئے، اسی دن لوگر میں بھی قابض فوجیوں پر حملے میں متعدد قابض اہل کار مارے گئے، 19 ستمبر کو مجاہدین نے لوگر میں 8 قابض امریکی فوجیوں کی ہلاکت کا اعلان کیا، 23 ستمبر کو ایک رابطہ کار پولیس اہل کار نے قندھار ہوائی اڈے میں فائرنگ کر کے 12 امریکی فوجیوں کو مار ڈالا، 30 ستمبر کو لوگر میں دو قابض امریکی فوجی ہلاک ہو گئے۔

ستمبر کے مہینے کے دوران بدخشان کے ضلع فیض آباد میں اربکی کمانڈر، پکتیا کے ضلع احمد آباد کے پولیس چیف، غزنی میں ڈپٹی آئی جی پولیس اور ہلمند میں پولیس ہیڈ کوارٹر کے کمانڈر مارے گئے۔

فتوحات کے سلسلے میں یکم ستمبر کو صوبہ بغلان پر مجاہدین نے حملہ کیا جس کے نتیجے میں دارالحکومت کے مضافات میں تمام چوکیاں فتح ہو گئیں، اس ماہ کے دوران صوبہ بلخ کے ضلع زارع، 6 ستمبر کو قندوز کے ضلع خان آباد، 7 ستمبر کو دشت آرچی، فراہ میں ضلع انار درہ، 8 ستمبر کو قندوز کے ضلع قلعہ زال اور بغلان میں گذرگاہ نور، 9 ستمبر کو صوبہ تخار کے ضلع خواجہ غار، 10 ستمبر کو تخار کے دو اضلاع ینگی قلعہ اور درقد، 14 ستمبر کو فراہ کے ضلع بالا بلوک، 21 ستمبر کو زابل کے ضلع شاجوی میں مرکزی بازار اور اہم فوجی اڈہ، 27 ستمبر کو سمنگان کے ضلع درہ صوف، فاریاب کے ضلع قرمقل اور 28 ستمبر کو جوزجان کے ضلع درزآب کو فتح کیا گیا۔

2 ستمبر کو قندوز کے سی درک علاقے میں دشمن کے کمانڈوز پر فدائی حملہ کیا گیا جس میں 50 سے زیادہ کمانڈوز ہلاک ہو گئے اور اسی دن کابل میں گرین ویلیج انٹیلی جنس سنٹر پر حملہ کیا گیا جس میں دو سو سے زائد اہل کار ہلاک اور زخمی ہو گئے۔

12 ستمبر کو کابل کے ریشخور کے علاقے میں مجاہدین نے کمانڈو کے مرکز پر حملہ کیا جس میں درجنوں اہل کار ہلاک اور زخمی ہو گئے، 19 ستمبر کو زابل کے دارالحکومت قلات میں بھی دشمن کے فوجی اڈہ پر مجاہدین نے حملہ کیا جس میں متعدد سکیورٹی اہلکار ہلاک اور زخمی ہوئے۔

سیاست کے میدان میں یکم ستمبر کو امارت اسلامیہ اور امریکی مذاکراتی ٹیم کے درمیان امن مذاکرات مکمل ہوئے اور فریقین نے امن مسودہ تیار کیا، 7 ستمبر کو اچانک امریکی صدر ٹرمپ نے امارت اسلامیہ کے ساتھ امن مذاکرات منسوخ کرنے کا اعلان کیا اور بظاہر یہ بہانہ کر کے راہ فرار اختیار کی کہ طالبان نے کابل میں امریکی فوجیوں پر کیوں حملہ کیا جس میں ایک امریکی فوجی ہلاک ہوا۔

اس اعلان کے بعد امریکی اور نیٹو کے متعدد اعلیٰ حکام اپنے حملوں میں اضافے کی بات کر رہے تھے اور سب جنگ جاری رکھنے پر زور دے رہے تھے، جس کے رد عمل میں امارت اسلامیہ نے ایک بار پھر واضح کر دیا کہ امریکہ اور نیٹو گذشتہ دو دہائیوں کی غلطیوں سے سبق سیکھیں ہم اپنے ملک کے دفاع کے لئے دشمن کے خلاف جہاد جاری رکھیں گے جبکہ امن مذاکرات اور پر امن حل کے لئے ہمارے دروازے کھلے ہیں۔

28 ستمبر کو ملک میں جعلی انتخابات ہوئے جن میں 35 ملین افغانوں میں سے صرف دو ملین افراد نے حصہ لیا جبکہ 9 ملین افغانوں کے نام رجسٹرڈ ہوئے، نام نہاد انتخابات کے دن مجاہدین نے دشمن کے اہم مراکز پر سینکڑوں حملے کئے اور امارت اسلامیہ کی رپورٹ کے مطابق دشمن پر 314 حملے ہوئے جن میں 100 سے زائد اہل کار مارے گئے، اسی طرح امارت اسلامیہ نے عوام کی جانب سے جعلی انتخابات سے بائیکاٹ کا خیر مقدم اور قوم کا شکریہ ادا کیا۔

اکتوبر:

یکم اکتوبر کو صوبہ لوگر میں دو امریکی قابض فوجی ہلاک ہوگئے، 13 اکتوبر کو غزنی کے ضلع دہ یک ایک امریکی فوجی سمیت 6 کمانڈو مارے گئے، 21 اکتوبر کو قندوز کے ضلع امام صاحب میں مزید دو حملہ آور مارے گئے، 22 اکتوبر کو صوبہ ہلمند میں دشمن کے متعدد فوجیوں کی ہلاکت کی خبر شائع ہوئی، 24 اکتوبر کو صوبہ پروان کے مرکز میں ایک اور حملے میں 8 قابض فوجی ہلاک ہوگئے، 28 اکتوبر کو صوبہ قندوز کے ضلع خان آباد میں چار امریکی فوجی اور 30 اکتوبر کو لوگر میں ایک امریکی فوجی ہلاک ہوا۔

اکتوبر کے مہینے کے دوران صوبہ میدان وردگ کے ضلع چک کے گورنر، پکتیا احمد آباد کے قاضی، قندوز کے ضلع علی آباد میں چار کمانڈرز، بادغیس میں پولیس چیف، قندہار کے ضلع ژنڈ میں ایک کمانڈر اور بغلان کے ضلع نہرین میں دو کمانڈر مارے گئے۔

15 اکتوبر کو مجاہدین نے بلخ کے مزار شریف میں دشمن کا ہیلی کاپٹر اور 18 اکتوبر کو بغلان میں دوسرا ہیلی کاپٹر مار گرایا۔

اگر آپ حملہ آوروں کے جرائم کا ایک مختصر جائزہ لیں تو یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ 9 اکتوبر کو امریکی ملٹری ٹائمز نے خبر شائع کی کہ امریکہ نے افغانستان پر یومیہ 31 بم برسائے ہیں، دوسری جانب 30 اکتوبر کو امریکی محکمہ دفاع نے بھی کہا ہے کہ گزشتہ ایک ماہ کے دوران افغانستان کی سرزمین پر 113 بم گرائے گئے تھے۔

10 اکتوبر کو مجاہدین نے صوبہ میدان وردگ کے ضلع سید آباد میں 18 کمانڈوز کو ہلاک کردیا، 13 اکتوبر کو غزنی کے ضلع دیک میں ایک امریکی فوجی سمیت چھ افغان کمانڈو ہلاک ہوگئے، 20 اکتوبر کو دایکنڈی کے ضع گیزاب میں مجاہدین کے ساتھ جھڑپ میں چودہ کمانڈو ہلاک ہوگئے، 31 اکتوبر کو صوبہ زابل کے ضلع نوبہار اور ضلع داہچوپان پر مجاہدین نے اپنا کنٹرول سنبھال لیا۔

نومبر:

4 نومبر کو روزگان کے دارالحکومت ترین کوٹ میں ایک امریکی فوجی مارا گیا، 6 نومبر کو صوبہ لوگر میں قابض امریکی فوجی مجاہدین کے حملوں کی زد میں آئے جس میں 5 امریکی فوجی ہلاک اور زخمی ہوگئے، 20 نومبر کو لوگر میں دشمن کا ایک چینوک ہیلی کاپٹر گرایا گیا جس میں متعدد قابض امریکی فوجی سمیت افغان کمانڈو ہلاک ہوگئے۔

نومبر کے مہینے میں کابل انتظامیہ کے متعدد اہم کمانڈر مارے گئے، جن میں صوبہ میدان وردگ میں دو کمانڈر، پکتیا میں ایک کمانڈر، صوبہ بلخ کے ضلع چار بولک میں پولیس چیف، لوگر میں عدلیہ کے دو جج، صوبہ زابل کے ضلع اتغر کے پولیس چیف، ننگرہار کے دارالحکومت میں ایک کمانڈر، تخار کے ضلع وردوج میں پولیس چیف، غزنی میں اپیلیٹ اٹارنی، ضلع رشیدان میں ڈسٹرکٹ پولیس کمانڈر اور ہلمند میں ایک کمانڈر امریکی مفادات کے تحفظ کی جنگ میں جان کی بازی ہار گئے، اس کے علاوہ 5 نومبر کو اٹارنی جنرل کہا کہ گزشتہ سات ماہ کے دوران چودہ ججز ہلاک ہوئے۔

یکم نومبر کو سیگار نے رپورٹ جاری کی کہ کابل انتظامیہ کی فورسز نے دفاعی حالت اختیار کی ہے اور ان کی ہلاکتوں میں نمایاں اضافہ ہوا ہے، دو نومبر کو ایک رکن پارلیمنٹ نے کہا کہ کابل انتظامیہ کے اعلی حکام قوم سے جھوٹ بول رہے ہیں، 8 نومبر کو مجاہدین نے صوبہ زابل کے ضلع اتغر پر بڑا حملہ کیا، 17 نومبر کو دایکنڈی کے ضلع گیزاب پر مجاہدین نے حملہ کیا جبکہ 28 نومبر کو تخار کے ضلع درقد پر مجاہدین نے حملہ کیا۔

9 نومبر کو زابل کے ضلع ارغنداب میں جاسوسی ادارے کے دفتر، 14 نومبر کو غزنی کے ضلع قرہ باغ میں سات چوکیاں، 19 نومبر کو میدان وردگ اور غزنی میں متعدد چوکیاں، 20 نومبر کو قندوز کے ضلع امام صاحب میں ایک فوجی اڈہ فتح کیا گیا۔

خوشی کی خبر یہ ہے کہ کابل انتظامیہ کے سربراہ اشرف غنی نے کابل میں امریکی یونیورسٹی کے دو لیکچررز کے تبادلے میں امارت اسلامیہ کے تین ارکان کی رہائی کا اعلان کیا، جبکہ ان کے ترجمان نے اس سے محض ایک روز قبل کہا کہ ان تینوں افراد کی رہائی کابل انتظامیہ کے لئے سرخ لکیر ہے، وہ کبھی بھی امریکہ کے ممکنہ دباؤ کی وجہ سے انہیں رہا نہیں کریں گے۔

18 نومبر کو امارت اسلامیہ کے تینوں رہنما قطر پہنچ گئے اور وہاں پر امارت اسلامیہ کے سیاسی دفتر کے رہنماوں نے ان کا استقبال کیا، اگلے روز صوبہ زابل کے ضلع نوبہار میں کابل یونیورسٹی کے دو لیکچررز کو بھی رہا کر دیا گیا۔

11 نومبر کو امریکی چیف آف اسٹاف جنرل مارک ملی نے کہا کہ امریکہ افغانستان میں اپنی فوج کو مزید چار سال تک برقرار رکھنے کا ارادہ رکھتا ہے جس کے رد عمل میں امارت اسلامیہ کے ترجمان نے کہا کہ افغانستان میں حملہ آوروں کی موجودگی کا مطلب یہاں جنگ کا تسلسل برقرار رکھنا ہے اور ہمارے مجاہدین آخری حملہ آور کی موجودگی تک جہاد جاری رکھیں گے۔

ایک شرمناک واقعہ یہ ہے کہ 29 نومبر کو امریکی صدر ٹرمپ نے افغانستان کا اچانک اور خفیہ دورہ کیا جبکہ کابل انتظامیہ کے سربراہ اشرف غنی کو پتہ ہی نہیں تھا، ٹرمپ جب کابل میں سب سے بڑے امریکی فوجی اڈے بگرام پر اتر گئے تو اشرف غنی کو بھی ملاقات کے لئے بلایا گیا اور پھر انہیں ایک صدر مملکت کا جو پروٹوکول ہوتا ہے وہ پروٹوکول بھی نہیں دیا گیا جس پر ملک کے اندر عوام نے شدید رد عمل کا اظہار کیا اور اشرف غنی کو تنقید کا نشانہ بنایا۔

دسمبر:

16 دسمبر کو ہرات کے پشتون زرغون ضلع میں دو قابض امریکی فوجی ہلاک ہوگئے، 23 دسمبر کو قندوز کے ضلع چہاردرہ میں ایک قابض فوجی ہلاک ہوا، 27 دسمبر کو صوبہ قندوز کے دارالحکومت میں مزید دو امریکی حملہ آور مارے گئے۔

کابل انتظامیہ کے اہم کمانڈروں کو نشانہ بنانے کے سلسلے میں دسمبر میں قندوز کے ضلع امام صاحب میں دو کمانڈر، صوبہ بلخ کے ضلع شولگر میں اسپیشل فورسز کے ایک کمانڈر، غزنی کے ضلع قرہ باغ میں چار اربکی کمانڈر اور کاپیسا کے ضلع آلہ سای میں ایک اربکی کمانڈر مارا گیا۔

یکم دسمبر کو بگرام اڈے کے مقام پر مجاہدین نے زبردست حملہ کیا جس میں قابض امریکی فوج کو ایندھن لے جانے والے درجنوں فیول ٹینکروں کو تباہ کیا گیا، 9 دسمبر کو صوبہ ہلمند کے ضلع ناد علی میں دشمن کے ایک فوجی اڈے پر کار بم دھماکہ کیا گیا جس میں متعدد اہل کار مارے گئے، 11 دسمبر کو ایک بار پھر بگرام میں امریکی بیس کو نشانہ بنایا گیا جس میں درجنوں ملکی اور غیر ملکی فوجی ہلاک اور زخمی ہوئے اور متعدد عمارتیں اور مراکز مکمل طور پر تباہ ہوگئے، 27 دسمبر کو صوبہ ہلمند کے ضلع سنگین میں دشمن کے فوجی اڈے پر مجاہدین نے بڑا حملہ کیا جس میں 26 فوجی ہلاک ہوئے۔

فتوحات کے سلسلے میں 2 دسمبر کو قندوز کے ضلع خان آباد میں دو مراکز، 6 دسمبر کو ضلع امام صاحب میں ایک فوجی اڈہ، 24 دسمبر کو صوبہ بلخ کے ضلع دولت آباد میں ایک فوجی مرکز کو فتح کیا گیا اور بھاری مقدار اسلحہ بھی برآمد کیا گیا۔

7 دسمبر کو امریکی خصوصی ایلچی زلمے خلیل زاد امن مذاکرات کو دوبارہ شروع کرنے اور امن معاہدے کے مسودے کو حتمی شکل دینے کے لئے قطر پہنچ گئے۔

10 دسمبر کو واشنگٹن پوسٹ نے رپورٹ شائع کی کہ اس کو خفیہ دستاویزات ملی ہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ افغان جنگ کے حقائق کو ابتدا ہی سے ہی خفیہ رکھا گیا تھا، ان دستاویزات کے مطابق امریکی جرنیلوں اور سیاسی قائدین کو معلوم تھا کہ افغانستان کی انتھک جنگ میں امریکہ کو شکست ہوئی ہے، اس کے باوجود انہوں نے ہلاکتوں کی تعداد کے باوجود جنگ کے حقائق کو اپنے عوام سے خفیہ رکھا اور وہ عوام کو جھوٹ بولتے رہے۔

22 دسمبر کو جعلی انتخابات کے تین ماہ کی تاخیر کے بعد نتائج کا اعلان کیا گیا جس کے مطابق افغانستان کی ساڑھے تین کروڑ آباد میں محض پندرہ لاکھ سے کم افراد نے انتخابات میں حصہ لیا تھا انتخابی نتائج کے مطابق اشرف غنی کو پہلے نمبر پر رکھا گیا جس کو تمام اپوزیشن نے مسترد کر دیا، ان انتخابات اور انتخابی نتائج کو دنیا کے سب سے زیادہ شرمناک عمل سمجھا جاتا ہے اس لئے دوسرے امیدواروں نے اسے قبول نہیں کیا۔

امارت اسلامیہ نے افغانستان پر سوویت یونین کی جارحیت کے چالیس سال مکمل ہونے کے موقع پر ایک اعلامیہ جاری کیا جس میں قابض امریکی افواج کو وارننگ دی کہ وہ سوویت یونین کی شکست سے سبق حاصل کریں اور ہمارے ملک پر ناجائز قبضہ ختم کریں۔

تشدد کی تشریح کچھ بھی ہو افغانستان چھوڑ دو

واشنگٹن ایگزمائنر

واشنگٹن کا مشہور روزنامہ ایگزمائنر نے گزشتہ ماہ چار تاریخ کو اپنے ایک کالم میں برسر اقتدار طبقے کو مخاطب کر کے ان سے افغانستان چھوڑنے کا مطالبہ کیا ہے۔ ان کے بقول یہ ناکام جنگ جلد سے جلد ختم کی جائے۔ کالم نگار 'Natalie Dowzicky' لکھتی ہیں:

رواں سال کرسمس کی چھٹیوں کے موقع پر لگ بھگ 14 ہزار امریکی فوجی اپنے گھر والوں سے نہیں مل سکے۔ جب کہ اس سے پہلے انہیں امید دلائی گئی تھی کہ وہ دسمبر تک اپنی فیملی سے مل پائیں گے۔ ان کی جدائی کے لمحات بالآخر ختم ہو جائیں گے، مگر یہاں طاقت کے سرچشموں نے ان کی تکلیف کو بالکل نظرانداز کر کے ان کے دردناک لمحات کو مزید طویل بنا دیا ہے۔ صورتِ حال کچھ اچھی نہیں ہے۔ دسمبر کی 29 تاریخ کو طالبان کی مجلسِ شوریٰ نے وقتی طور پر جنگ بندی کا معاہدہ منظور کر لیا ہے، جس کا مقصد اس مذاکراتی مفاہمت مزید بڑھانا ہے۔ البتہ طالبان کے امیر تاحال اس جنگ بندی کو منظور نہیں کرنا چاہ رہے۔ وہ شاید امن کو پسند نہیں کرتے۔ میں اس تناظر میں مزید کہنا چاہوں گی کہ گزشتہ رات ہی طالبان نے ایک زبردست دھماکہ کیا ہے، جس میں سترہ افغان فوجی مارے گئے ہیں۔ یہ دھماکہ افغانستان کے شمال میں ہوا تھا۔ طالبان نے اس کی باقاعدہ ذمہ داری قبول کی تھی۔

شاید کالم نگار کو اس جیسے واقعات نے بہت دل برداشتہ کر رکھا ہے۔ نتیجہ وہ غصے سے مغلوب ہو کر لکھتی ہیں کہ اِن جیسے تشدد پسندوں کے ساتھ مذاکرات، مفاہمت اور مباحثہ زیروجمع زیرو جیسا عمل ہے۔ یہ دماغی تھکان سے پرے کچھ نتیجہ نہیں دیتا۔ آخر امریکا کو کیا ہو گیا ہے جو خواہ مخواہ کے انتظار میں مصروف ہے۔ کیا وہ اس مخمصے میں ہے کہ طالبان اس کے ساتھ ایک بہترین حل نکالنے میں کامیاب ہو جائیں گے؟ آخر امریکا یہ کیوں نہیں سوچتا کہ ریت کی ٹیلوں میں بارش کی امید پر سفر کرنا دانش مندی نہیں ہے۔ امریکا اس پالیسی کا کئی بار تجربہ کر چکا ہے، وہ ہر بار شدید ناکام رہا ہے۔ افغان مفاہمتی عمل کا چولہا ایک بار پھر تب گرم ہوا، جب اس مقدس دن کی مناسبت سے امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے افغانستان کا پہلا سفر کیا۔ جب کہ اس سے قبل یہ عمل ستمبر میں روک دیا گیا تھا۔ اس بنا پر کہ طالبان نے اپنے ایک حملے میں ایک امریکی فوجی کو قتل کر دیا تھا۔ اسی لیے ٹرمپ نے ان کے ساتھ ہونے والی کیمپ ڈیویڈ ملاقات اور امن معاہدہ منسوخ کر دیا تھا۔

اب ایک دفعہ پھر صدر ڈونلڈ ٹرمپ کے حکم پر مفاہمتی عمل کے لیے وزارتِ خارجہ کے خصوصی نمائندے زلمے خلیل زاد یہ ناسور ختم کرنے کے لیے حرکت میں ہیں۔ البتہ نظر یوں آ رہا ہے کہ ان کے تمام منصوبے پانی پر لکیریں ہیں، جو کبھی قائم نہیں رہ سکتیں۔ کالم نگار صاحبہ کے مطابق یہ جنگ انتہاء تک پہنچانے کے لیے امریکی سیاست دان کئی دفعہ وعدے کر چکے ہیں، لیکن وہ عملی جامہ پہنانے سے ہمیشہ گریزاں رہے ہیں۔ بارک اوباما نے وعدہ کیا تھا کہ 2014 تک اس جنگ سے جان چھڑا لیں گے۔ اس کے برعکس 2016 میں فوجیوں کی تعداد میں مزید اضافہ کر دیا گیا۔ اسی طرح ٹرمپ نے اپنے انتخابی جلسوں میں بار بار جنگ میں کام آنے والا مال اور جانیں ضائع قرار دیں۔ انہوں نے اس جنگ کو محض وقت کا ضیاع شمار کرایا۔ ٹرمپ نے گزشتہ سال حتمی فیصلہ کیا تھا کہ 2020 تک انخلا کر لیا جائے گا۔ انہوں نے بجائے ایفائے عہد کے صرف چار ہزار فوجیوں کی واپسی پر غور شروع کیا، جو ابھی تک زبانی نعروں سے آگے نہیں بڑھ سکا۔

گزشتہ سال افغان جنگ میں بیس امریکی فوجی ہلاک کر دیے گئے تھے۔ بیس کی گنتی کم ہے یا زیادہ، اس پر تبصرے مختلف ہو سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ بہت بڑی تعداد ہے۔ ہماری حقیقت پسندی شاید بعضوں کو راس نہ آئے اور وہ اسے مذاق سمجھیں۔ البتہ وہ وجہ سمجھ کر تسلیم کر لیں گے۔ گزشتہ سالوں کی نسبت اب فوج کی تعداد مجموعی طور پر کم ہے۔ مقتولین کی تعداد میں کوئی کمی نہیں آئی ہے، جن کی زندگیاں ہمارے دعوے کی سچائی کی دلیل ہو سکتی تھیں۔ سن 2001 سے اب تک 7 لاکھ 75 ہزار فوجی افغانستان بھیجے گئے ہیں۔ جب کہ 3200 فوجی اپنی جان گنوا بیٹھے ہیں۔ 20 ہزار 589 سے زیادہ بُری طرح زخمی ہیں۔ روزنامہ واشنگٹن پوسٹ کی تحقیق کے مطابق 61 ہزار 124 افغان فوجی، 43 ہزار 74 عوام لوگ اور 42 ہزار ایک سو طالبان اس ناسور کی نذر ہو چکے ہیں۔ افغان عوام اپنے جنگ زدہ وطن کی تعمیرِ نو کے لیے بہت پریشان ہیں۔ ان میں بہت ایسے ہیں، جنہوں نے پیدا ہونے سے لے کر موت تک امن کی کوئی گھڑی نہیں دیکھی۔ افغانستان میں کئی دہائیوں سے مسلسل جنگ ہے۔ جس کی وجہ سے ترقی اور تعمیر کا کوئی منصوبہ پائیدار نہیں رہ سکا۔

مقالہ نگار ان تند و تیز جملوں کے بعد حل کی تلاش میں ایوانوں بیٹھے افراد سے التجا کرتی ہیں کہ اب امریکا کو بہرحال اس لڑائی سے جان چھڑا لینی چاہیے۔ جنگ کا اختتام ناگزیر ہے۔ اگر یہ جنگ یوں ہی جاری رہی تو اس کا یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ حکمرانوں کے نزدیک جنگ ایک کاروبار ہے، جس کے لیے وہ کسی انسانی جان اور اُس کے مال کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ ہمیں افغانستان چھوڑنے کے لیے طالبان یا کسی اَور کے ساتھ مذاکرات کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس فکر اور سوچ میں رہنا کہ یہ لوگ ہمارے ساتھ ایک متفقہ حل پر پہنچ جائیں گے، جھگڑے کو طول دینے کے علاوہ کچھ نہیں۔ مقالہ نگار صاحبہ آخر میں لکھتی ہیں کہ صرف یہ نہیں کہ ہم افغانستان درست سمت نہیں لے جا سکتے، بلکہ ہماری افغانستان میں موجودگی خطے کو مزید برباد کر سکتی ہے۔ اس لیے جتنا جلدی ہو سکے، افغانستان سے نکل جانا چاہیے۔

کابل انتظامیہ یا ٹشو پیپر؟

احسان عامر

دنیا کی ہر قوم و ملک کے اپنے انفرادی اصول ہوتے ہیں۔ ہر کام نظام الاوقات کے تحت سر انجام دیا جاتا ہے۔ ملکی اور بین الاقوامی سطح کے تعلقات کا اپنا ایک طریقہ کار ہوتا ہے۔ دنیا سفارتی، سیاسی اور معاشی شعبوں میں اپنے ہی حدود اور اصول رکھتی ہے، جس کے ذریعے وہ اپنے انفرادی اور قومی مفادات سمیت سرحدوں کی حفاظت کے فیصلے کرتی ہے۔ انسان تو کیا، کوئی بھی جان دار اپنے مسکن پر دوسرے کی مداخلت برداشت نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی یہ سرخ لائن عبور کرے تو یہ صورتِ حال کو خراب کرنے میں سب سے بڑا باعث ہوتا ہے۔

صرف کابل کے صدارتی محل اور وہاں تعینات سی آئی اے کے پروردہ ایجنٹ ایسے ہیں، جو دنیا کے تمام قوانین کے خلاف اپنے ہی ملک اور مسکن کے خلاف روبوٹس کی طرح امریکا کے اشاروں پر ناچتے ہیں۔ دنیا کے دوسرے ممالک میں سفارت خانے صرف دو ملکوں کے درمیان سفارتی تعلقات کے امور سر انجام دیتے ہیں۔ وہ متعلقہ ملک کے داخلی معاملات میں مداخلت کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ کابل میں اس کے برعکس ہو رہا ہے۔ کابل انتظامیہ کے سربراہ کے دفتر، داخلی اور خارجی امور کے تمام دفاتر امریکی سفارت خانے کی جانب سے چلائے جا رہے ہیں۔ یہی سفارت خانہ ان کے لیے سرخ لائن تجویز کرتا ہے۔ کابل انتظامیہ جتنا مرضی 'انتخابات' کی گردان کرتی رہے، لیکن ہوتا وہی ہے، جو امریکا اپنے مفاد کے لیے چاہتا ہے۔ کبھی جان کیری آکر ایک ہی ملک میں بیک وقت دو بادشاہ مقرر کر دیتا ہے۔ کبھی اس ادارے کے سربراہ اشرف غنی کی تمام حیثیت خاک میں ملاتے ہوئے ایک ادنیٰ فوجی کی حیثیت سے امریکی سفارت خانہ رات گئے اسے ٹرمپ کے استقبال کے لیے بغیر محافظوں کے بگرام بھیج دیتا ہے۔ امریکی سفیر 'جان بس' کو ایک تمغہ تھمانے کے باوجود وہ اسے آنکھیں دکھا کر کہتا ہے کہ کوئی انتخابات نہیں ہوئے، جلدی سے ایک مشترکہ حکومت بنالو۔

امریکا نے اپنے مذموم مقاصد کے لیے افغانستان پر جارحیت کے ساتھ ہی کچھ کرائے کے سیاست دان اور میڈیا کو افغانستان پر مسلط کیا، تاکہ جنگ میں انہیں استعمال کیا جائے۔ میڈیا پر ڈالرز کی بارش کرتے ہوئے یہ مشن سونپا گیا کہ وہ امریکی کٹھ پتلیوں کو عوام کے سامنے ہیروز کے طور پر پیش کرے۔ لوگوں کو فکری طور پر منحرف کرنے کے لیے دن رات ایک کرے۔ امریکی میڈیا نے بھی صحافت کے تمام اصولوں کے خلاف افغان قوم کی امریکا کے خلاف جاری مسلح جدوجہد کے خلاف زہریلی رپورٹنگ جاری رکھی۔ ہمیشہ کالے کو سفید اور زہر کو تریاق بنا کر پیش کیا گیا۔ شروع ہی سے نام نہاد انتخابات کو بنیاد بنا کر لوگوں کے ذہن میں یہ بات بٹھانے کی کوشش کی گئی کہ موجودہ حکومت افغان عوام ہی کی نمائندہ حکومت ہے۔ اس کے خلاف آواز اٹھانا اپنے ہی عوام کے خلاف بغاوت کے مترادف تصور ہوگا۔ الحمدللہ! اللہ کی نصرت اور طالبان کی جدوجہد کی وجہ سے دشمن کے تمام حربے ناکام ہوتے گئے۔

امارت اسلامیہ نے جارحیت کے آغاز میں جس طرح جہاد کا علم بلند کرتے ہوئے کہا تھا کہ امریکا نے جارحیت کی ہے اور کابل انتظامیہ ایک کٹھ پتلی اور امریکی کی نوکر انتظامیہ ہے۔ اس کا اپنا کوئی اختیار نہیں ہے۔ تنخواہ، اسلحہ، لباس اور خوراک تک امریکا فراہم کرتا ہے۔ پھر وہ کیسے امریکا کے مفاد کے خلاف قدم اٹھا سکتی ہے؟ امارت اسلامیہ آج بھی اپنے موقف پر قائم ہے۔ وہ ان دونوں کے خلاف جہاد جاری رکھے ہوئے ہے۔ میڈیا سے متاثر لوگ اکثر ہمارے موقف کی تائید نہیں کرتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ واقعی اب ایک عوامی حکومت بن چکی ہے۔ البتہ حقیقت ایک روشن ستارے کی مانند ایک دن ضرور افق پر نمودار ہوگی، جس کی وجہ سے لاعلمی کی تاریکیوں میں بھٹکے لوگ راہ پا جائیں گے۔ کچھ عرصہ گزرنے کے ساتھ ہی کابل کی کٹھ پتلی انتظامیہ میں شامل افراد یکے بعد دیگرے خود یہ اعتراف کریں گے کہ 'امریکا کا رویہ ہمارے ساتھ ٹشو پیپر کی طرح ہے، جسے استعمال کے بعد کچرا دان میں پھینک دیا جاتا ہے۔'

اسی طرح امریکا کے سابق کٹھ پتلی غلام حامد کرزئی نے واشنگٹن پوسٹ کو انٹرویو دیتے ہوئے اعتراف کیا کہ 'میں آخر کار اس نتیجے پر پہنچا کہ امریکا مجھے استعمال کر رہا تھا۔' انہوں نے مزید کہا کہ '2009ء اور نہ ہی 20014ء کے انتخابات ہم نے کروائے، وہ امریکا کی کارکردگی تھی۔' اس اعتراف سے گویا انہوں نے طالبان کے موقف کی تائید کی کہ کابل انتظامیہ ایک غلام اور کاسہ لیس ادارہ ہے۔ کابل انتظامیہ کے عہدیداروں کے اعترافات نے ثابت کیا کہ مذکورہ ادارہ اس قابل نہیں کہ اس کے ساتھ مذاکرات کیے جائیں اور نہ اس قابل ہے کہ اسے کوئی مستقل حکومت کہا جائے۔

ایک سال میں 8 ہزار بم

شاہد غزنیوال

بین الاقوامی تنظیم برائے انسانی حقوق ہیومن رائٹس واچ نے اپنی حالیہ رپورٹ میں کہا ہے کہ امریکی فوج نے 2019ء میں ستمبر تک افغانستان کے مختلف علاقوں پر 8ہزار بم گرائے ہیں۔ جس کے نتیجے میں 250 بچوں سمیت 800 افراد لقمہ اجل بن گئے۔ انسانی حقوق کے لیے ایشیاء کی سربراہ پتریشیاء گاسمن نے مذکورہ رپورٹ میں کہا ہے کہ اگرچہ افغان صدارتی انتخابات کے دوران زیادہ تر حملے طالبان کی جانب سے کیے گئے، لیکن سال کے آغاز سے لے کر ستمبر تک سب سے زیادہ حملے نائٹ آپریشن اور فضائی بمباری افغان کٹھ پتلی اور امریکی فورسز نے کیے ہیں۔ جس میں عام شہریوں سمیت زیادہ اموات بچوں کی ہوئی ہیں۔ مذکورہ ادارے کی یہ پہلی رپورٹ نہیں، جس میں افغانستان میں امریکی فوج کے جنگی جرائم سے پردہ اٹھایا جارہا ہے، بلکہ اس سے قبل بھی اس تنظیم نے امریکی اور افغان کٹھ پتلی فورسز کو عام شہریوں اور بچوں کے قتل عام میں ملزم ٹھہرایا ہے۔

ہیومن رائٹس واچ کی ایک معتبر تنظیم کے طور پر یہ ذمہ داری ہے کہ وہ انسانی حقوق پامال کرنے والوں کو لگام دے۔ مظلوموں کے ساتھ ہمدردی دکھاتے ہوئے مجرموں کو کٹہرے میں کھڑا کرے۔ مجرم کا تعلق کسی بھی رنگ ونسل اور ملک سے کیوں نہ ہو، اس کے خلاف یکساں آواز اٹھائی جائے۔ اس جنگ میں امریکا اور اس کے اتحادیوں نے افغانستان میں دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر سیکڑوں دفعہ جنگی جرائم کا ارتکاب کیا ہے۔ انسانی حقوق کی تنظیم سمیت تمام بین الاقوامی تنظیموں نے ان کی کارروائیوں کو جنگی جرائم قرار دیا۔ ان کو ملزم ٹھہراتے ہوئے دنیا سے ان کے خلاف آواز اٹھانے کی خواہش کی۔

برطانیہ کے معروف جریدے گارجین نے اپنی رپورٹ میں سوال اٹھایا ہے کہ انٹرنیشنل کریمینل کورٹ افغانستان میں امریکی فورسز کے جنگی جرائم پر کیوں خاموش ہے؟ اسے چاہیے وہ امریکا کو جنگی جرائم کا ذمہ دار ٹھہرائے۔ اس سے سوال کرے کہ افغانستان میں قیام امن کے بہانے وہاں کا امن کیوں تباہ اور لوگ قتل کیے جارہے ہیں؟

بین الاقوامی کریمینل کورٹ کی ایک وکیل 'فاتو بین سودا' نے بھی مطالبہ کیا ہے کہ جنگی جرائم کی تحقیقات کی جائیں۔ کابل انتظامیہ، سکیورٹی فورسز، امریکی فوج سمیت جنگ میں شامل تمام گروہوں کو انسانی حقوق کی پامالی کے جرم میں عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کرنا چاہیے۔ امریکا خود کو انسانی حقوق کے تحفظ کا علمبردار بھی کہتا ہے، وہ نہ صرف یہ کہ کریمینل کورٹ کے اس مطالبے کی مخالفت کر رہا ہے، بلکہ اس تنظیم کے کارکنوں کو افغانستان میں جرائم کی تحقیق کے لیے افغانستان جانے کی اجازت بھی نہیں دے رہا۔ تاکہ وہ قریب سے تمام مظالم دیکھ کر تحقیق نہ کرلیں کہ کابل انتظامیہ اور نیٹو نے کیسے بھیانک جرائم کا ارتکاب کیا ہے!

انسانی حقوق کی جو نئی رپورٹ آئی ہے، اس میں افغان عوام پر امریکا کی جانب سے 8ہزار بم صرف ایک سال کے عرصے میں گرائے جانے کا انکشاف ہوا ہے۔ اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ اس بمباری کا نشانہ وہ معصوم افغان شہری بنے، جو درحقیقت نہتے تھے۔ ان میں اکثریت خواتین اور بچوں کی تھی۔ امریکا کو ان کے قتل، بے گھر ہونے اور ان کے پسماندگان کو سوگوار چھوڑنے پر کوئی شرمندگی نہیں ہے۔

امریکہ اور قاسم سلیمانی

احمد مختار

3 جنوری کو ایران کی قدس فورس کے جنرل قاسم سلیمانی کو بغداد میں امریکی ڈرون طیاروں نے نشانہ بنایا، جس سے وہ ہلاک ہو گئے۔ امریکی کانگریس کی مخالفت کے باوجود ٹرمپ کے خصوصی حکم پر امریکی ڈرون طیاروں نے قاسم سلیمانی کو ایسے وقت میں نشانہ بنایا، جب ایران اور امریکا کے تعلقات تاریخ کے نازک ترین موڑ پر ہیں۔ حالانکہ ٹرمپ نے دوبارہ صدر بننے کے لیے انتخابی کمپین میں صراحت کے ساتھ یہ بات کہی تھی کہ خطے میں امریکی موجودگی کم کر کے باہر سے امریکی افواج کو واپس بلایا جائے گا۔ ان اعلانات کے باوجود قاسم سلیمانی کو ڈرون کے ذریعے نشانہ بنانا اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ ان اعلانات میں سنجیدہ نہیں ہیں۔ وہ مزید خطے میں جنگ کے شعلے بڑھکانا چاہتے ہیں۔ عراق کی سرزمین پر جنرل قاسم سلیمانی کے قتل کے بعد عراقی پارلیمنٹ نے فوری ردعمل دیتے ہوئے متفقہ طور پر امریکی فوج کو نکالنے کا مطالبہ کیا ہے۔ اس کے ساتھ لبنان میں حزب اللہ کے لیڈر حسن نصر اللہ نے بھی مشرق وسطی سے امریکی فوج نکالنے کا مطالبہ کیا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر امریکی افواج خود نہیں نکلتیں تو وہ طاقت کے ذریعے نکال دیں گے۔

مشرق وسطی کے چار اہم ممالک عراق، شام، لبنان اور یمن کی افواج اور انٹیلی جنس عملاً ایران کے ساتھ کھڑی ہیں۔ یہ وہ ممالک ہیں، جن کی خلیجی ممالک میں امریکا نواز ممالک کے ساتھ سرحدات ہیں۔ اگر ایران جنرل قاسم سلیمانی کے قتل کا بدلہ لینا چاہے تو وہ ضرور انہی چار ممالک کی سرزمین استعمال کرے گا، جس کی وجہ سے خطے کا امن وامان مزید خراب ہو سکتا ہے۔ گزشتہ سال ستمبر میں سعودی علاقے بقیع میں حوثی باغیوں کی جانب سے سعودی تیلی کمپنی آرامکو کی تنصیبات کو نشانہ بنانے سے تیل کے نرخوں میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ تب امریکی اور سعودی حکام نے مشترکہ طور پر ردعمل ظاہر کیا تھا کہ یہ حملہ ایران کے کہنے پر حوثی باغیوں نے کیا ہے۔ جب کہ امریکا کی جانب سے ایرانی جنرل کو ایک ایسے فوجی اقدام کے ذریعے نشانہ بنایا گیا، جس میں خود امریکی پالیسی ساز ادارے ایک پیج پر نہیں ہیں تو ایران ضرور عراق، شام اور یمن میں موجود امریکی افواج سے انتقام لے گا۔ جس سے خطے میں سیاسی، اقتصادی اور سکیورٹی حوالے سے غیر یقینی صورت حال پیدا ہو سکتی ہے۔

ایران اور امریکا کے درمیان طاقت کے استعمال سے ظاہر ہے دونوں ممالک کا مقصد مشرق وسطی کی سیاست و معیشت پر کنٹرول کرنا ہے۔ یہ خدشہ بھی ہے اگر آگ کو مزید بھڑکایا گیا تو دوسرے ممالک بھی اس کی لپیٹ میں آسکتے ہیں۔ افغانستان پہلے ہی سے امریکی جارحیت کی وجہ سے عالمی طاقتوں کے درمیان طاقت کے استعمال کے لیے بطور تجربہ گاہ استعمال ہو رہا ہے۔ اگر ایران نے علاقائی سطح پر جنرل قاسم سلیمانی کے قتل کا بدلہ چاہا تو افغانستان اس کے برے اثرات سے کسی طرح محفوظ نہیں رہ سکتا۔ امریکا نے کابل انتظامیہ کے ذریعے ایران نواز عناصر کو اس قدر مشتعل کیا ہے کہ وہ باقاعدہ ریاستی رٹ کو چیلنج کرنے پر آمادہ ہیں۔ داعش خطے کو غیر مستحکم کرنے کے لیے ایک امریکی پروجیکٹ کے طور پر ظاہر ہوئی۔ افغانستان میں امریکی چھتری تلے اس کی پرورش ہوئی۔ اس کے ذریعے افغانوں کے لیے مسائل کھڑے کیے گئے ہیں۔ داعش کے اجرتی جنگجو اب امریکی ہدایات کے تحت کابل انتظامیہ میں ریاستی امور میں باقاعدہ طور پر شریک ہو رہے ہیں۔ اب وہ اس نشئی مریض کی طرح ہے، جو محض وسائل کے بل بوتے پر کسی بھی شخص کے کہنے پر کسی بھی شخص کے خلاف استعمال ہو سکتا ہے۔ امریکا اور ایران کی تازہ جھڑپ میں اس کا کردار کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

امارت اسلامیہ امن کی واحد امید

جمیل باور

افغانستان میں اس وقت امریکا کے خلاف مقدس جہاد کی برکت سے آزادی کی امید بڑھ گئی ہے۔ امریکا کے انخلاء کے بعد حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کے لیے ایک ایسے مضبوط حکمران کی ضرورت ہے، جو افغانستان کی زمین، امن وامان، عدل و انصاف اور قومی مفادات کا امین ہو۔ وہ ایک ایسی مضبوط مرکزی حکومت قائم کرے، جس میں افغانستان کے تمام صوبوں کی نمائندگی شامل ہو۔ امارت اسلامیہ اس قسم کی مثالی حکومت قائم کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ وہ اس کی مثال اپنی سابقہ حکومت میں پیش بھی کر چکی ہے۔ وہ ہر طرح سے کامیاب تھی۔ سوویت یونین کی جارحیت کے خلاف افغان قوم کی بیش بہا قربانیوں کے بعد افغانستان کو امن کا گہوارہ بننا چاہیے تھا، لیکن بیرونی سازشوں اور اپنوں کے لالچی مزاج کی وجہ سے افغانستان انتشار کا شکار ہو گیا۔ ہر جگہ مختلف کمانڈروں نے اپنی علیحدہ اور خود ساختہ اجارہ داری قائم کر لی تھی۔ ظلم وزیادتی کا بازار گرم تھا۔ لوگوں کے جان ومال محفوظ نہیں تھے۔ اس سنگین بحران کے نتیجے میں مردِ قلندر عالی قدر امیر المومنین اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ قندھار سے نکلے اور شہر کے مضافات میں واقع چیک پوسٹوں اور خود ساختہ کمانڈروں کا صفایا کیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے پورے افغانستان سے فساد کا خاتمہ کر کے افغانستان کو مثالی امن دیا۔

1992ء کے بعد جو سابق مجاہدین کابل میں داخل ہوئے تو ملک میں طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ ہر علاقے میں جس کی لاٹھی، اس کی بھینس والی صورت حال تھی۔ حکومت وعدالت نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ اس وقت ملک ٹوٹنے کے خطرے سے دوچار ہو چکا تھا۔ امارت اسلامیہ نے بہت ہی کم عرصے میں ملک کو اس بحران سے نجات دے کر ایک مضبوط مرکزی حکومت قائم کر لی۔ امارت اسلامیہ نے اپنی حکومت کے دوران معاشی مشکلات کے باوجود سرحدوں کی حفاظت کی اور عدل و انصاف کا بول بالا کیا۔ طالبان کے دور میں کسی کو افغانستان کی سرحد پار کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ اس وقت امارت اسلامیہ نے ہمسایہ ممالک کو یقین دہانی کرائی تھی کہ ہماری طرف سے ان کو کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔

جب 2001ء میں امریکا سمیت اس کے 50 کے قریب اتحادیوں نے افغانستان پر جارحیت کی تو تب سے اب تک امارت اسلامیہ بڑی بہادری اور جاں فشانی سے آزادی اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے مقابلے میں مصروف ہے۔ وہ اب اپنا ہدف حاصل کرنے کے قریب ہے۔ اس طویل اور صبر آزما جنگ میں امارت اسلامیہ نے دشمن کی سازشوں سے عوام کو وقتاً فوقتاً خبردار کرتے ہوئے ان کی اچھی طرح فکری تربیت کی اور انہیں اسلامی نظام کی اہمیت، کفار کے خلاف جہاد کی ترغیب اور وطن سے محبت کا درس دیا، جس کی وجہ سے افغانستان کے عوام کی بھاری اکثریت طالبان کے ساتھ شانہ بہ شانہ امریکا اور اس کی کٹھ پتلیوں کے خلاف برسرپیکار ہے۔

دو عشروں کے مسلسل جدوجہد کے بعد امارت اسلامیہ نے خطے کے کئی ممالک کو اپنا معقول موقف ماننے پر مجبور کیا ہے۔ بین الاقوامی سطح پر بھی افغان جنگ کے خاتمے کے لیے امارت اسلامیہ کے موقف کی تائید سامنے آ رہی ہے۔ امارت اسلامیہ نے امریکا کو اپنی تاریخ کے سب سے طویل مذاکرات کرنے پر مجبور کیا ہے۔ امریکا اپنے غرور میں دنیا کے کسی ملک کو اتنا وقت نہیں دیتا، جتنا طالبان کے ساتھ مذاکرات میں صرف کیا۔ امارت اسلامیہ افغان قوم کی بہتر نمائندگی کر رہی ہے۔ وہ ہمیشہ افغانستان کے بحران کو مذاکرات کے ذریعے حل کرنے کی بات کرتی رہی ہے۔ اس بارے میں اس کی پالیسی اور موقف واضح ہے۔ جس میں امریکی فوج کا انخلا بنیادی شرط کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ امریکی انخلا کے بعد ایک مرکزی حکومت کے قیام کے لیے تمام افغان سیاسی رہنماؤں کے ساتھ افغان شہریوں کی حیثیت سے بات چیت کی جائے گی۔ امارت اسلامیہ کبھی بھی عبوری حکومت کے قیام کی حمایت نہیں کرے گی۔

امارت اسلامیہ اللہ کی نصرت اور فضل سے اس قابل ہے کہ مستقبل میں افغان قوم کی نمائندگی میں بہتر اور فلاحی حکومت قائم کرے۔ افغانستان کے تمام قبائل کو نمائندگی دیتے ہوئے کئی عشروں کی لگی آگ کو امن کے گہواروں میں تبدیل کرے۔ تباہ شدہ ملک کو ترقی کی منازل پر پہنچائے اور افغانستان کو دنیا کا ایک مثالی امن وامان والا ملک بنائے۔ چالیس سال سے جنگ کی چکی میں پستے ہوئے عوام کو امن کا تحفہ دے۔

جنگی جرائم دسمبر 2019

سید سعید

یکم دسمبر 2019 کو صوبہ خوست کے مرکز اور ضلع علی شیر و کے درمیان ای چلتی گاڑی پر امریکی فوج نے ڈرون حملہ کیا جس میں سوار ایک خاندان کے چھ افراد شہید ہو گئے، یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب شہر میں بچے کی پیدائش کے بعد گھر والے اپنے گھر جا رہے تھے، عینی شاہدین کے مطابق اس واقعے میں تین خواتین، دو مرد اور ایک نوزائیدہ بچہ شہید ہو گیا۔

یکم دسمبر کو سفاک دشمن نے صوبہ پکتیکا کے ضلع سر حوضہ کے علاقے مارز کو گاؤں میں ایک چھاپے کے دوران تین شہریوں کو شہید کر دیا۔

یکم دسمبر کو قابض امریکی فوج کے طیاروں نے صوبہ کاپیسا کے ضلع تگاب کے بدراب درہ اور افضل خیل گاؤں میں ایک مسجد پر بمباری کی جس کے نتیجے میں چار شہری شہید ہو گئے۔

2 دسمبر کو صوبہ فاریاب کے ضلع لولاش کے علاقے لاشی میں افغان فورسز کی گولہ باری سے مسجد کا ایک حصہ منہدم اور اس میں پڑھنے والے سات بچے زخمی ہو گئے۔

5 دسمبر کو حملہ آوروں اور افغان فورسز نے صوبہ روزگان کے مرکز ترینکوٹ کے علاقے خنجک میں نہتے شہریوں کے گھروں پر چھاپے مارے، متعدد شہریوں کو تشدد کا نشانہ بنایا، تین افراد کو حراست میں لیا اور پھر اس علاقے پر بمباری کی جس کے نتیجے میں 12 افراد شہید اور دو افراد زخمی ہو گئے۔

5 دسمبر کو صوبہ فاریاب کے ضلع بلچراغ کے وسطی علاقے میں افغان فورسز کے مارٹر گولے سے 3 شہری شہید ہو گئے۔

5 دسمبر کو صوبہ ہلمند کے دارالحکومت لشکر گاہ کے علاقے باباجی میں قابض امریکی فوج کے ڈرون طیارے نے چلتی گاڑی کو نشانہ بنایا جس میں تین شہری شہید ہو گئے۔

10 دسمبر کو صوبہ لوگر کے ضلع برکی بارک کے گاؤں باغک میں افغان فورسز کی فائرنگ سے چار بچے شہید ہو گئے۔

14 دسمبر کو صوبہ قندھار کے ضلع خاکریز کے علاقے لام میں چھاپے کے دوران 6 شہری شہید اور زخمی ہو گئے، دشمن نے کچھ لوگوں کو تشدد کا نشانہ بنایا اور متعدد گاڑیوں کو آگ لگا دی۔

14 دسمبر کو صوبہ غور کے ضلع دولتیار کے علاقے خواجہ سمک میں حملہ آوروں اور افغان فورسز کی بمباری میں دو مرد، ایک عورت اور پانچ بچے شہید ہوئے، دو مساجد اور 35 مکانات کو نقصان پہنچا

15 دسمبر کو صوبہ پکتیا کے ضع سید کرم کے علاقے جہانگیر خیل میں حملہ آوروں کے ایک ڈرون حملے میں تین شہری شہید ہو گئے۔

15 دسمبر کو صوبہ لغمان کے ضلع قرغیو کے گاؤں فرمان خیل میں سفاک دشمن نے شہریوں کے گھروں پر چھاپہ مارا، ایک اسکول کی طالبہ کو شہید کیا، ایک خاتون کو زخمی کر دیا اور چار عام شہریوں کو گرفتار کر لیا، اس واقعے کے خلاف شہریوں نے کابل جلال آباد قومی شاہراہ کو ٹریفک کے لئے بند کر دیا اور مجرموں کو قرار واقعی سزا دینے کا مطالبہ کیا۔

15 دسمبر کو صوبہ فراہ کے مرکز فراہ شہر میں کچنی دھیک کے علاقے میں

افغان فورسز کی فائرنگ سے دو خواتین اور ایک شخص شہید جبکہ چار افراد زخمی ہوگئے۔

16دسمبر کو قابض امریکی فوج اور افغان اجرتی فورسز نے قندہار کے ضلع شاولی کوٹ میں چنار سپین کیچی کے علاقے میں چھاپے کے دوران آٹھ شہریوں کو شہید اور چار افراد کو حراست میں لیا۔

16دسمبر کو افغان فورسز نے صوبہ فراہ کے ضلع بالابلوک کے شیوان کے علاقے میں ایک ڈرائیور کو شہید کردیا۔

16دسمبر کو صوبہ غور کے ضلع دولتیار کے سمک کے علاقے میں اتحادی فوج کی بمباری سے 40 مکانات تباہ، خواتین اور بچوں سمیت متعدد افراد شہید اور زخمی ہوئے۔

17دسمبر کو مشرقی صوبہ ننگرہار کے ضلع حصارک کے جوکان کے علاقے میں پولیس کی فائرنگ سے ایک شہری شہید ہوا۔

17دسمبر کو صوبہ ننگرہار کے ضلع خوگیانو کے علاقے نکڑ خیل میں امریکی اور افغان فورسز کے چھاپے کے دوران لونگ اور نعمت کے نام سے دو شہری شہید ہوئے، ایک کلینک اور متعدد دکانوں کو بھی نقصان پہنچا۔

18دسمبر کو صوبہ خوست کے ضلع اسماعیل خیل کے علاقے ڈاڈوال میں پولیس اہل کاروں نے علاقے کے ایک مشہور دینی عالم مولوی عبدالحکیم کو شہید کردیا۔

19دسمبر کو صوبہ کنڑ کے ضلع شلطن کے علاقے مانو میں افغان فورسز نے امیر عثمان کے نام سے ایک شخص، اس کی والدہ اور بیوی سمیت چار افراد کو زخمی کرکے اس کے گھر سے قیمتی چیزوں کو لوٹ لیا گیا۔

19دسمبر کو قابض امریکی اور افغان فورسز نے صوبہ ننگرہار کے ضلع خوگیانو کے علاقے تورغر کے بٹینو گاؤں میں ایک چھاپے کے دوران 7 شہریوں کو شہید اور متعدد افراد کو زخمی کردیا۔

23دسمبر کو سفاک دشمن نے صوبہ روزگان کے دارالحکومت ترین کوٹ کے مضافات میں شاہ منصور کے علاقے میں عام شہریوں کے گھروں پر بمباری کی جس سے متعدد مکانات تباہ ہوگئے جبکہ چار بچوں سمیت 10 شہری شہید ہوگئے
۔

24دسمبر کو مشترکہ دشمن نے صوبہ کاپیسا کے ضلع نجراب کے علاقے بشہ خان اور افغان درہ میں چھاپوں کے دوران خواتین اور بچوں سمیت 8 شہریوں کو شہید اور چار افراد کو زخمی کردیا۔

28دسمبر کو میڈیا نے خبر شائع کی کہ قندوز کے دارالحکومت میں بز قندہاری کے علاقے میں امریکی اور افغان فورسز نے چند روز سے جاری آپریشن میں عام شہریوں کے گھروں پر چھاپے مارے، چادر اور چاردیواری کا تقدس پامال کرکے علاقے میں خوف وہراس پھیلایا، اس دوران 13 شہریوں کو شہید کردیا، متعدد مکانات کو تباہ کردیا، دشمن کے اس آپریشن سے لوگوں کو بڑے پیمانے پر مالی نقصان ہوا

29دسمبر کو صوبہ قندوز کے مرکز میں بز قندہاری کے علاقے میں قابض امریکی فوج کی بمباری سے 14 شہری شہید اور متعدد افراد زخمی ہوگئے۔

ذرائع: "بی بی سی، آزادی ریڈیو، افغان اسلامک پریس، پژواک، خبریال، لراو بر، نن ڈاٹ ایشیا اور بینوا ویب سائٹس"۔

افغانستان دسمبر 2019 میں

احمد فاروق

نوٹ: یہ مضمون صرف ان واقعات پر مشتمل ہے جن کا اعتراف دشمن نے بھی کیا ہے جبکہ اس کے علاوہ دیگر واقعات خاص کر ملکی اور غیر ملکی دشمنوں کی ہلاکتوں کے بارے میں تفصیلی معلومات امارت اسلامیہ کی آفیشل ویب سائٹ پر حاصل کی جاسکتی ہیں۔

اس ماہ کے دوران مختلف فوجی، سیاسی اور پریس کے شعبوں میں امارت اسلامیہ نے نمایاں کامیابی حاصل کی، افغان فورسز کے علاوہ متعدد قابض امریکی فوج ہلاک ہوئے، اس ماہ کے دوران متعدد چوکیوں اور فوجی اڈوں کو فتح کر کے دشمن کو پسپا کر دیا گیا، اس کے علاوہ دیگر اہم واقعات درج ذیل سطور میں ملاحظہ فرمائیں۔

حملہ آوروں کے نقصانات:

16دسمبر کو صوبہ ہرات کے ضلع زرغون ولوالی میں دو قابض امریکی فوجی ہلاک ہوگئے، 23دسمبر کو قندوز کے ضلع چہار درہ میں ایک امریکی فوجی مارا گیا، 27 دسمبر کو قندوز میں ایک اور امریکی فوجی ہلاک ہوا، اگلے دن پکتیا کے ضلع زرمت میں دو قابض فوجی ہلاک ہوگئے لیکن مجموعی طور پر قابض اہل کاروں کی ہلاکتوں کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہوسکی ہے کیونکہ اب تک ہلاکتوں کو خفیہ رکھا گیا ہے اور دس میں سے وہ صرف دو یا تین ہلاکتوں کا اعتراف کرتے ہیں۔

افغان فورسز کے نقصانات:

6دسمبر کو قندوز کے ضلع امام صاحب میں پولیس کمانڈر مارا گیا، 8دسمبر کو صوبہ بلخ کے ضلع شولگرہ میں اسپیشل فورس کے کمانڈر اور اس کے معاون کو ہلاک کر دیا گیا۔ 24دسمبر کو کاپیسا کے ضلع الہ سای میں ایک کمانڈر مارا گیا، 28دسمبر کو صوبہ تخار کے ضلع لالہ گزر میں مزدور فورس کا ایک کمانڈر مارا گیا، اس کے علاوہ افغان اجرتی فورسز کے سینکڑوں اہل کار ہلاک اور زخمی ہوئے جن کے درست اعداد و شمار دستیاب نہیں ہیں۔

نہتے شہریوں پر تشدد:

یکم دسمبر کو قابض امریکی فوج نے صوبہ خوست کے ضلع علی شیر میں چلتی گاڑی پر ڈرون حملہ کیا جس میں نوزائیدہ بچہ سمیت چھ افراد موقع پر شہید ہو گئے، 4دسمبر کو افغان فورسز نے ننگرہار کے ضلع شیرزاد میں نہتے شہریوں کے گھروں پر چھاپہ مارا جس سے مقامی لوگوں کو بڑے پیمانے پر جانی اور مالی نقصان ہوا، جب کہ اس سے ایک روز قبل اس علاقے کے شہریوں نے احتجاجی ریلی نکالی اور مظاہرہ کیا جس میں انہوں نے کابل انتظامیہ سے مطالبہ کیا کہ ان پر ہونے والے مظالم کی روک تھام کے لئے فوری طور اقدامات اٹھائے جائیں، 11دسمبر کو کابل انتظامیہ کی فورسز نے لوگر کے ضلع برکی برک میں چار بچوں کو شہید کر دیا۔

26دسمبر کو یوناما نے ایک اعلان میں اعلی امارت اسلامیہ امن کی واحد امید جمیل باور ان کیا کہ پچھلی ایک دہائی میں ایک لاکھ سے زیادہ شہری جاں بحق ہوچکے ہیں، اسی دن سمنگان کے ضلع دوآب میں افغان فورسز نے ایک دینی عالم کے گھر پر چھاپہ مارا اور قرآن پاک کو آگ لگادی، 30دسمبر کو بغلان میں قابض امریکی فوج کے ڈرون حملے میں 14شہری شہید ہوئے۔

ان تمام واقعات، حملوں اور شہری ہلاکتوں کی مکمل رپورٹ امارت اسلامیہ کی آفیشل ویب سائٹ پر حاصل کی جاسکتی ہے۔

الفتح آپریشنز:

یکم دسمبر کو صوبہ پروان میں بگرام ایئر بیس کے اندر دھماکے شروع ہوئے، جہاں قابض امریکی فوج کو ایندھن لے جانے والے درجنوں ٹینکروں کو نذر

آتش کر دیا گیا، 2 دسمبر کو میڈیا نے خبر شائع کی کہ قندوز کے دارالحکومت اور ضلع خان آباد سے دشمن نے راہ فرار اختیار کر کے علاقہ چھوڑ دیا، خبر کے مطابق دشمن نے مجاہدین کے حملوں کے خوف سے یہ علاقہ خالی کر لیا، 6 دسمبر کو قندوز کے ضلع امام صاحب میں پولیس اسٹیشن پر مجاہدین نے حملہ کر کے اس کو فتح کرنے کا اعلان کیا، جس میں دو کمانڈروں سمیت بارہ پولیس اہل کار بھی مارے گئے۔

9 دسمبر کو صوبہ ہلمند کے ضلع ناد علی میں دشمن کے سیکیورٹی مرکز پر کار بم دھماکہ کیا گیا جس میں دشمن کے درجنوں فوجی ہلاک اور زخمی ہوئے، 14 دسمبر کو صوبہ پروان کے بگرام فوجی اڈے پر حملہ ہوا، مجاہدین نے فوجی اڈے کے اندر داخل ہو کر قابض غیر ملکی فوجیوں پر فائرنگ شروع کر دی جس میں درجنوں فوجی ہلاک ہوئے جبکہ متعدد عمارتیں اور مراکز بھی تباہ ہو گئے، 24 دسمبر کو صوبہ بلخ کے ضلع دولت آباد میں مجاہدین نے دشمن کے ایک فوجی اڈے پر سفید پرچم لہرا دیا، 27 دسمبر کو ہلمند کے ضلع سنگین میں دشمن کے ایک بڑے فوجی اڈے پر بڑا حملہ کر دیا جس میں دشمن کے 26 اہل کارے مارے گئے، 28 دسمبر کو صوبہ تخار کے ضلع لالہ گزر میں دشمن کے دو مراکز پر حملہ کیا گیا جس میں منحرف فوج کے ایک کمانڈر سمیت 21 فوجی ہلاک ہوئے، 30 دسمبر کو صوبہ بغلان کے وسطی ضلع بغلان میں، صوبہ بلخ کے ضع کشندہ اور صوبہ جوزجان کے ضلع فیض آباد میں افغان فورسز کی چوکیوں اور فوجی اڈوں پر مجاہدین نے تابڑ توڑ حملے کئے ان کارروائیوں کے نتیجے میں دشمن کے درجنوں فوجی ہلاک، زخمی اور گرفتار ہوئے، 31 دسمبر کو صوبہ جوزجان کے ضلع درزاب سے افغان فورسز پسپا ہو گئیں۔

الفتح آپریشنز کے تحت کامیاب حملوں اور کارروائیوں سے متعلق مکمل رپورٹ امارت اسلامیہ کی ویب سائٹ میں مل سکتی ہے۔

امن مذاکرات:

7 دسمبر کو امریکہ کے خصوصی نمائندے خلیل زاد نے امن مذاکرات کی بحالی کے لئے قطر کا دورہ کیا اور مسودہ میں امن معاہدے کو حتمی شکل دینے کے لئے دوبارہ امن مذاکرات کا آغاز کیا۔

دستاویزات کی اشاعت:

10 دسمبر کو واشنگٹن پوسٹ نے خبر شائع کی کہ خفیہ دستاویزات موصول ہوئی ہیں جس میں اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے کہ ابتداء سے اب تک افغانستان کی جنگ سے متعلق حقائق کو خفیہ رکھا گیا ہے، دو ہزار صفحات پر مشتمل ان دستاویزات کے مطابق تمام جرنیلوں اور سیاسی رہنماؤں کو معلوم تھا کہ افغانستان میں شروع ہونے والی خوفناک جنگ میں امریکہ کو شکست کا سامنا ہے لیکن اس کے باوجود انہوں نے جانی و مالی نقصانات کے ساتھ ساتھ جنگ کی حقیقتوں کو بھی خفیہ رکھا گیا۔

افغان عوام کا مطالبہ:

ایشین سینٹر کی انتظامیہ نے ایک سروے کیا تھا، 3 دسمبر کو اس کے نتائج کا اعلان کیا گیا جس کے مطابق افغان عوام کے 90 فیصد امن اور 82 فیصد ملک سے قابض افواج کا انخلا چاہتے ہیں۔

جعلی انتخابات کے ابتدائی نتائج کا اعلان:

جعلی اور نام نہاد انتخابات کے انعقاد کے تین ماہ بعد جس میں افغانستان کی 35 ملین آبادی میں سے پندرہ لاکھ سے کم افراد نے حصہ لیا، 23 دسمبر کو ابتدائی نتائج کا اعلان کیا گیا جس میں اشرف غنی کو پہلے نمبر پر رکھا گیا تھا، اپوزیشن رہنماؤں نے تاریخ کے دھاندلی زدہ اور جھرلو الیکشن کے نتائج کو قبول کرنے سے انکار کیا اور سب نے نتائج کو مسترد کر دیا۔

اعلامیہ:

افغانستان پر سوویت یونین کی جارحیت کے چالیس سال مکمل ہونے کے موقع پر امارت اسلامیہ نے ایک اعلامیہ جاری کیا جس میں ایک بار پھر امریکہ اور دوسرے حملہ آوروں کو متنبہ کر کے ان سے مطالبہ کیا کہ وہ اس دن سے سبق حاصل کریں اور ہمارے ملک پر ناجائز اور ظالمانہ قبضہ ختم کریں۔

۲۰۱۹ میں ہونے والی کارروائیوں کا جدول

نمبر شمار	صوبہ	کارروائیوں کی تعداد	فدائی حملے	دشمن کے مالی اور جانی نقصانات					عام شہریوں اور مجاہدین کی جانی نقصانات		
				صلیبیوں کی اموات	صلیبیوں کے زخمی	اہلکاروں کی ہلاکتیں	اہلکاروں کے زخمی	فوجی گاڑیوں اور ٹینکوں کی تباہی	مجاہدین کے شہید	مجاہدین کے زخمی	[illegible]
-1	قندھار	1376	1	13	2	2644	906	551	29	30	4
-2	ہلمند	1907	1	145	20	2788	2766	576	159	148	1
-3	زابل	718	0	0	0	1966	416	320	64	94	0
-4	روزگان	334	1	35	14	772	150	51	35	23	3
-5	ہرات	460	0	13	12	1009	656	180	31	47	1
-6	فراہ	499	0	0	0	648	459	215	39	72	0
-7	بادغیس	288	1	6	0	782	612	64	58	118	0
-8	نیمروز	202	0	0	0	217	85	34	6	16	10
-9	غور	158	0	0	0	337	331	53	19	26	0
-10	فاریاب	338	0	29	18	745	839	233	49	71	0
-11	کونڑ	169	0	0	0	64	72	14	0	1	0
-12	نورستان	55	0	0	0	48	70	3	0	0	0
-13	غزنی	766	4	12	6	1718	910	282	18	11	4
-14	خوست	418	0	0	0	403	370	73	5	6	1
-15	میدان وردگ	503	1	4	5	966	425	219	8	4	1
-16	لوگر	358	2	12	7	798	453	163	5	1	2
-17	کاپیسا	268	0	0	0	389	223	17	4	0	0
-18	پکتیا	759	0	2	0	1114	715	174	9	10	0
-19	پکتیکا	242	0	0	0	409	277	78	9	9	0
-20	ننگرہار	312	1	0	0	444	753	76	5	3	2
-21	لغمان	262	1	0	0	309	258	66	5	3	1
-22	کابل	317	11	60	37	373	589	166	29	5	12
-23	پروان	222	4	19	12	187	149	97	14	1	4
-24	قندوز	351	2	13	12	1041	739	100	19	24	0
-25	بغلان	305	1	0	0	622	501	197	20	14	0
-26	تخار	138	0	0	0	494	455	57	9	4	0
-27	سمنگان	53	0	0	0	118	108	11	1	2	0
-28	بدخشان	127	0	0	0	361	215	16	15	4	0
-29	جوزجان	121	0	0	0	330	200	30	7	3	0
-30	بلخ	595	1	0	1	1232	880	190	18	7	1
-31	بامیان	16	0	0	0	16	8	3	0	0	0
-32	سرپل	143	0	0	0	227	242	30	16	14	0
-33	دای کنڈی	54	0	0	0	191	85	8	3	4	0
-34	پنج شیر	7	0	0	0	15	6	6	0	0	0
مجموعہ		12841	32	363	146	23777	15923	4353	708	775	47

فرمان امیر المؤمنین شیخ الحدیث ہبۃ اللہ اخندزادہ حفظہ اللہ

امارت اسلامیہ اپنے پُرامن موقف کی بنیاد پر امریکا کو دعوت دیتی ہے کہ عقل مندی اور افہام و تفہیم کا راستہ اپنایا جائے۔مذاکراتی سلسلے میں مخلصانہ طور پر سرگرمی دکھائی جائے۔اس حوالے سے امارت اسلامیہ جس معقول لائحہ عمل کو پیش کر رہی ہے، اسے تسلیم کیا جائے۔ امارت اسلامیہ ایک ایسا خودمختار اور خوشیاں فراہم کرنے والا نظام نافذ کرنے والی ہے، جس میں افغانستان کی تمام اقوام شامل ہوں گی۔ امارت اسلامیہ نے اس ہدف تک پہنچنے کے لیے مسلح جہاد کے ساتھ افہام و تفہیم اور مذاکرات کے دروازے بھی کھول رکھے ہیں

SHARIAT

Monthly Islamic Magazine

اپنے ہوائی اور زمینی افواج کے درمیان روابط بر قرار رکھنے کے لئے سی آئی اے کے زیر
استعمال انتہائی جدید قسم کا طیارہ جو گزشتہ دنوں امارت اسلامیہ کے ہاتھوں غزنی میں تباہی کا شکار ہوا